الزہراؒ

کا

نام اور مضمون

پریس ایکٹ کے علاوہ انڈین
کاپی رائٹ ایکٹ اور مجموعہ تعزیرات ہند
کی دفعات ۴۷۸ و ۴۷۹ کے
تحت بھی رجسٹری کرالیا گیا ہے
لہٰذا کوئی صاحب لالچ میں آکر
اس کے نام اور مضمون سے فائدہ
اٹھانے کا کبھی قصد نہ کریں ورنہ
دیوانی ہی نہیں فوجداری جرم بھی ہوگا۔
اور خمیازہ بھگتنا پڑیگا۔

پبلشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلا ... پر جو خاک عرب سے اُٹھیں اور علم و فضل کے ایسے دریا بہائے کہ

نہ صرف خطۂ مخصوص بلکہ ایک دنیا ان سے سیراب ہوئی۔ ادب کی ان صحبتوں اور علوم کی

ان مجلسوں میں ہم بنت الرسول فاطمۃ الزہراؑ کو بھی ممتاز جگہ پر جلوہ افروز دیکھتے ہیں۔ سونے

پر سہاگہ اُن کی خانگی زندگی ہے۔ ایثار کے متبرک گلدستے ہاتھوں میں۔ صبر و شکر کے خوشنما ہار

گلے میں۔ اور انسانیت کا چمکتا ہوا تاج سر پر۔ مسلمان کچھ آج ہی کل کے نہیں تیسری صدی

کے بعد سے حسن عقیدت کے ایسے چکر میں پڑے کہ آئمہ کا درجہ خلفائے خمسہ کیا پیغمبر سے اور

غیر کا خدا سے بڑھا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی معاملات اور شاندار روایات جن سے یہ پاک زندگیاں

بنتیں ختم ہو گئیں۔ اور ان کے بدلے وہ جھوٹی روایات، خرافات، ہزلیات جن پر دوسرے

اُڑاتے ہیں۔ داخل ہو گئیں۔ اور آج ان کے کارنامے محض اُن فقیروں کے ذریعے

رہ گئے۔ جو اندھیرے منہ گلیوں میں چیختے پھرتے ہیں، فریقین کے اختلاف نے اور بھی

غضب ڈھایا، کہ مسئلہ متنازعہ فیہ کے ساتھ تمام محاسن پر پانی پھر گیا۔ اور وہ شاندار زندگی

جو سیدہ نے بسر کی۔ اس وقت اندھیرے گھپ میں پڑی ہوئی ہے۔ بی بی کی نیاز، بی بی کی

صحنک، بی بی کی پڑیاں، بی کا کونڈا، معجزۂ آل نبی، ختم عید، ہر واقعہ ہے اور ہر چیز سے یہی

ظاہر ہے کہ فاطمۃ الزہرا کی تمام عمر مصیبت اور افلاس میں بسر ہوئی۔ ہم کو بھی اس کے تسلیم

کرنے میں عذر نہیں تھا۔ مگر انقلاب کا وہ زبردست پہلو جو واقعیت کے رنگ میں صاف جھلک

سنی و شیعہ

رہا ہے بالکل غارت ہوا جاتا ہے اور یہ بی بی فاطمہؓ کی اس خوبی کو جو تمول وافلاس کے تغیر میں ظلم
قطعی چھپا لیگا۔ اس لئے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم سیدہ کے شجرۂ نسب کیساتھ انکی محترم ماں بی
خدیجہ کی مالی حالت کا بھی ذکر کریں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ وہ سدا کی غریب اور مفلس نہ تھیں۔ بلکہ
ماں کی زندگی تک اُنکی پرورش اسطرح ہوئی جس طرح ایک اوسط درجہ کی خاندانی لڑکی کی ہوسکتی

بی بی فاطمہؓ کا شجرۂ نسب

باپ کے اجداد

عدنان
معد
نزار
مضر
الیاس
مدرکہ
خزیمہ
کنانہ
نضر
مالک
فہر
غالب
لوی
کعب
مرۃ
کلاب
قصی
عبد مناف
ہاشم
عبد المطلب
عبد اللہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فاطمہؓ

ماں کی مائیں اور اجداد

مائیں

عامر
معیص
عبد
حجر
رواحہ
ہرم
اطم
زائدہ
فاطمہ
خدیجہؓ
فاطمہؓ

ماں کے اجداد

قصی ـــــ عبد العزیٰ
اسد
خویلد
خدیجہؓ
فاطمہؓ

اس شجرۂ نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فاطمہ کے نانا خویلد قریش کے معزز اور متمول قبیلہ میں سے تھے۔ اور اسطرح رسول اللہ کا شجرہ بی بی خدیجہ کی چوتھی پشت میں جا کر قصی سے ملجاتا ہے اور دسویں پشت میں لوی سے غرض بی بی فاطمہ کا نجیب الطرفین اور خوشحال خاندان کی بیٹی ہونا ثابت ہو گیا

بی بی فاطمہ کی خاندانی حالت اور بی بی خدیجہ کی دوسری امہات المؤمنین پر فضیلت

بی بی خدیجہ کی ولادت ۵۵۵ء اور ۵۸۵ء کسردی کی ہے۔ اس وقت کی عام حالت جو زمانہ جہالت کہلاتا ہے مخفی نہیں۔ مگر بی بی خدیجہؓ جن کی گود میں سیدہؓ نے پرورش پائی اس وقت یعنی اس تاریکی کے زمانہ میں بھی طاہرہ کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ اور قریش کا گراں بہا تمغہ سیدۃ النساء جو کسی دوسری عورت کو ان سے پہلے نصیب نہ ہوا عطا ہو چکا تھا۔ ان کے والد یعنی سیدہ کے نانا خویلد جن کے خیالات کا اثر بی بی خدیجہؓ کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔ اور جو فاطمۃ الزہرا کی زندگی میں پوری طرح ظاہر ہوا۔ اپنے وقت میں اپنے تمول و ایثار و رحم کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھے۔ ان کا کاروبار یمن میں بہت زور سے پھیلا ہوا تھا۔ مگر بی بی خدیجہؓ کے پہلے شوہر ہناش اور دوسرے عتیق جب ان کو بیوہ چھوڑ گئے تو ان کے والد خویلد اپنے بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے تجارت کے کاروبار کی نگرانی کے قابل نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنا سب کام بیٹی کے سپرد کر دیا۔ اور خود گوشہ نشین ہو گئے۔ بیوی خدیجہ نے اس کام کو اس قدر توجہ اور ایمانداری سے چلایا کہ باپ سے زیادہ منافع حاصل ہوا اور چند ہی روز میں وہ بہت بڑی دولت کی مالک بن گئیں۔ گو اس وقت تجارت کی منڈیاں بہت سی تھیں۔ مگر شام مرکز تھا۔ اور اگرچہ بہت سے تاجر اور غلام ایسے موجود تھے جو بی بی خدیجہ کے مال و اسباب کے اونٹ خود لیجاتے تھے۔ اور دیانتداری سے کام کرتے تھے۔ پھر بھی بی بی خدیجہ کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی۔ جو اتنا ایماندار متقی اور پرہیزگار ہوتا کہ ان کے خود نہ جا سکنے کی کمی کو پورا کر دیتا۔

ادھر قحط کی مصیبت سے گھبرا کر ابوطالب نے رسول اللہ سے کہا تم خدیجہ سے ملازمت کی درخواست کرو۔ وہ اپنے دوسرے شوہر عتیق کے بعد دنیا سے کچھ ایسی بیزار ہو گئی تھیں کہ اکثر

خانہ کعبہ میں جاکر عبادت میں مصروف رہتیں۔ اس زمانہ کی کاہنہ عورتوں نے اُن سے صاف صاف کہدیا تھا کہ ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے اور وہ تمہاری قوم میں سے ہوگا یہ سنتے ہی بی بی خدیجہ کا ذہن ادھر منتقل ہوچکا تھا۔ چنانچہ جس وقت رسول اللہ نے ملازمت کی خواہش کی تو انہوں نے خوشی سے منظور کرلیا۔ اور اپنے غلام میسرہ سے کہدیا کہ جو کچھ یہ کہیں اور کریں کسی معاملہ میں دخل نہ دینا۔ اس سفر اور اس تعلق میں میسرہ نے جو کچھ دیکھا اور رسول اللہ کی دیانتداری کا جو سکہ بی بی خدیجہؓ کے دل پر بیٹھا وہ نکاح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بی بی خدیجہؓ رسول اللہ کی سب سے پہلی بیوی تھیں۔ اور اسی لئے تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ یہ ایک ایسا امتیاز اور مخصوص شرف ہے جس کی وجہ سے ان کو تمام ازواج مطہرات پر فضیلت ہے۔ اور حق یہ ہے کہ وہ اس فضیلت کی مستحق تھیں۔ انہوں نے اپنا تن من دھن سب رسول اللہ کی کامیابی میں صرف کردیا جب ارہاصات کا وقت آیا ہے اس وقت رسول اللہ نہایت پریشان اور خائف تھے۔ کہیں پتھر سلام کررہے ہیں۔ کہیں درخت بول رہے ہیں۔ اس موقع پر بیوی خدیجہ نے ایسے دلسوز پیرایہ میں تسلی دی کہ وہ پریشانی اور خوف سب رفع ہوگیا۔ اس فضیلت کی تائید ام المومنین بی بی عائشہ کی اس حدیث سے ہورہی ہے جس کو امام بخاری نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ رسالت مآب جب بی بی خدیجہ کے بعد گھر میں تشریف لاتے تو ان کا ذکر کرکے بہت کچھ تعریف کرتے، ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ نے معمول کے مطابق ان کی بہت کچھ تعریف کرنی شروع کی۔ مجھے رشک آیا۔ میں نے کہا وہ تھیں کیا ایک بوڑھی بیوہ عورت تھیں۔ خدانے آپ کو اُن کے عوض ان سے بہتر بی بی عنایت کی یہ سنکر رسول اللہ کا چہرۂ مبارک مارے غصہ کے تمتما اٹھا۔ اور فرمانے لگے۔ خدا کی قسم ان سے اچھی بیوی مجھے نہیں ملی۔ وہ ایمان لائی تھیں جبکہ سب لوگ کافر تھے۔ انہوں نے میری تصدیق کی تھی جبکہ سب لوگ جھٹلاتے تھے۔ انہوں نے اپنا مال و دولت مجھپر قربان کیا جبکہ سب لوگوں نے مجھ کو محروم کیا۔ خدانے ان کے بطن سے مجھے اولاد دی۔

بی بی عائشہ کہتی ہیں۔ میں نے اس روز سے عہد کر لیا کہ اب رسول اللہ کے سامنے کبھی ایسی بات نہ کہوں گی۔

بی بی خدیجہؓ سے رسول اللہ کے ہاں سات اولادیں ہوئیں۔ چار صاحبزادے تین صاحبزادیاں باین تفصیل پیدا ہوئے۔

زینبؓ، رقیہؓ۔ ام کلثومؓ، فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن، قاسم، طاہر، عبد اللہ رضی اللہ عنہم یہ سب بچے زمانہ بعثت سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے۔ بلکہ تینوں صاحبزادے تو نبوت سے پہلے ہی انتقال بھی فرما گئے تھے۔ صاحبزادیوں نے البتہ نبوت کا زمانہ پایا۔ اور سب کی سب مشرف باسلام ہوئیں۔ بی بی زینب سب سے بڑی تھیں جو نکاح کے پانچویں سال پیدا ہوئیں۔ اور جن کی شادی ابو العاص بن الربیع سے ہوئی۔ جو بی بی خدیجہ کے حقیقی بھانجے تھے۔ انہی کی لڑکی امامہ فاطمۃ الزہرا کے انتقال کے بعد حضرت علی سے بیاہی گئی تھیں۔ ایک موقعہ پر جب بدر کی لڑائی میں کچھ آدمی گرفتار ہو کر آئے ہیں تو انکی رہائی اس شرط پر قرار پائی کہ وہ فدیہ دیں۔ قیدیوں میں زینب بنت رسول اللہ کے شوہر ابو العاص بھی تھے۔ جب بی بی کو یہ خبر ہوئی تو انہوں نے اپنی ماں بی بی خدیجہ کی ہیکل رسول اللہ کی خدمت میں بطور فدیہ کے بھیجی۔ ہیکل کے سامنے آتے ہی رسول اللہ کی چشم مبارک میں آنسو آگئے۔ اور آپ نے فرمایا۔ یہ اس نیک اور پاک بی بی کا زیور ہے۔ جس نے اپنی عمر کا آخری تمام حصہ اسلام کی خدمت میں بسر کر دیا۔

بی بی فاطمہ کو رسول اللہ کی دوسری صاحبزادیوں پر کیا فوقیت حاصل ہے

بی بی فاطمہ کے حالات میں سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ کی بی بی فاطمہ سے تین بڑی صاحبزادیاں اور موجود تھیں۔ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ تو بی بی فاطمہ میں ایسی کیا خصوصیت تھی جسکی وجہ سے مسلمان عام طور پر ان صاحبزادیوں کے نام تک سے واقف نہیں

[1] مدارج النبوۃ۔ سپرٹ آف اسلام [2] مدارج النبوۃ

اور حضرت فاطمہ کا نام مسلمانوں کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ بی بی فاطمہ کی زندگی میں بہت سے اہم واقعات پیش آئے ہیں۔ وہ حضرت علی سے منسوب کی گئیں۔ ممکن ہے انکی شہرت کی یہی وجوہ ہوئی ہوں۔ مگر یہ خیال ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ بی بی زینب کی لڑکی امامہ، بی بی فاطمہ کے بعد حضرت علی سے بیاہی گئیں۔ رقیہ اور ام کلثوم کے پہلے نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئے۔ پھر دونوں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفان کے عقد میں آئیں۔ پہلے بی بی رقیہ اور ان کے بعد ام کلثوم۔ اس لئے محض عقد وجہ شہرت نہیں ہو سکتے۔ بی بی فاطمہ کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ رسول اللہ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور اس لئے فطرتاً سرور کائنات کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اور وہ اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ بی بی فاطمہ کے دونوں بچوں کو رسول اللہ اپنا بیٹا فرماتے تھے۔ اور ان سے اتنی ہی محبت کرتے تھے جتنی اپنے بیٹوں سے کسی باپ کو ہو سکتی ہے۔ بی بی فاطمہ سے رسالت مآب کو جو شغف تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ سفر میں تشریف لیجاتے تو سب سے پیچھے بی بی فاطمہ سے رخصت ہوتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے بی بی فاطمہ کے ہاں جاتے بی بی فاطمہ باعتبار علم وفضل اپنی سب بہنوں سے بہتر تھیں۔ ان کے مزاج میں بچپن ہی سے ایثار اس قدر تھا کہ رسول اللہ جیسے باپ اور خدیجہ جیسی ماں کی صحبت کا جو بہترین اثر کسی اولاد پر ہو سکتا تھا وہ بی بی فاطمہ پر ہوا۔ چنانچہ ملا حسین شیرازی فرماتے ہیں کہ ایک موقعہ پر قریش میں کوئی شادی قرار پائی۔ بیبیاں اچھے اچھے کپڑے اور زیور پہن کر اس میں شریک ہوئیں۔ بی بی خدیجہ اس وقت زندہ تھیں۔ انہوں نے اپنی سب بچیوں کو اس شادی میں بھیجا۔ بی بی فاطمہ کی عمر اس وقت قریباً پانچ سال کی تھی۔ اور اس عمر میں بچیوں کو پہننے اوڑھنے کی جس قدر خوشی ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ اور یہ اچنبھا معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فاطمہ نے ماں کے حکم کی تعمیل میں شرکت تو منظور کر لی۔ مگر زیور کا استعمال پسند نہ کیا۔

۱؎ مدارج النبوۃ ۱۲

حالانکہ دوسری بہنیں زیر رہن کر گئیں۔ لیکن غور کرنے سے بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ ماں اور باپ کے جو خیالات ننھے سے دماغ میں جگہ پکڑ چکے تھے اور نشو ونما پا رہے تھے ان کا اثر ابتدا ہی سے ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور یہی تھی وہ وجہ جو ماں باپ دونوں کی محبت میں زیادتی کا باعث ہوئی۔ سونے پر سہاگہ ان کی علمی قابلیت تھی جس نے ان کے پاک نام کو چار چاند لگا دئے۔ ام المومنین بی بی خدیجہ کی فضیلت امام بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہو چکی ہے۔ اور ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ بی بی فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا اور ام المومنین عائشہ صدیقہ کا مقابلہ کریں۔ اس موضوع پر نواب صدیق حسن خاں نے ایک معقول بحث کی ہے۔ اور بحث کو ان اشعار پر ختم کیا ہے۔

وی کے گفت عائشہ در فضل ۔۔۔ بہتر از بنت سید البشر است

مصرعہ در جواب او گفتم ۔۔۔ رشتہ دیگر رگ جگر دگر است

یہ خیال بھی نظر انداز نہیں ہو سکتا کہ ان کے بطن سے حسنین جیسے دو ایسے لال پیدا ہوئے جو بساط امامت پر آفتاب و مہتاب کی طرح چمکے۔

بی بی فاطمہ کی پیدائش بی بی فاطمہ کی پیدائش میں مورخین کا کچھ اختلاف ہے۔ مگر ۵ھ پر مورخین زیادہ متفق ہیں اور یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ نبوت کے دسویں سال یعنی ہجرت سے تین برس پہلے ام المومنین خدیجہ کا انتقال ہوا ہے۔ اور ام المومنین کے اس نکاح نے تمام برادری میں ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ کیونکہ بڑے بڑے رئیس و امیر بی بی خدیجہ کے خواستگار تھے۔ اور ایک شخص نے تو درخواست نکاح کے ساتھ ہزار اونٹ مہر کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن بی بی خدیجہ جو اپنے خیال کی پختہ اور محض حق کی متلاشی تھیں رضامند نہ ہوئیں۔ اس لئے ان لوگوں کو رسول اللہ سے نفرت تو پہلے تھی۔ بی بی خدیجہ کا نکاح "کریلا اور نیم چڑھا" ہو گیا۔ یہانتک نوبت پہنچی کہ سوا چند عورتوں کے سب نے

ؔ مدارج النبوۃ

آنا جانا چھوڑ دیا۔ اور بی بی فاطمہ کی پیدائش کے وقت برادری کی ایک عورت پاس آکر نہ پھٹکی جمعہ کا روز تھا۔ جمادی الآخر کی بیسویں تاریخ طلوع آفتاب کے وقت بی بی فاطمہ پیدا ہوئیں، رسول اللہ نے جب سب سے پہلے بچی کو دیکھا تو گود میں لیا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور فرمایا "میری یہ بیٹی[1] دنیا کی بزرگ عورتوں میں سے ہے۔" یہ الفاظ رسالت مآب کی زبان سے اکثر بی بی فاطمہ کے لئے نکلتے تھے۔ ملا حسین شیرازی نے امام حسن کی روایت سے ام المومنین کا یہ قول اس موقعہ پر نقل کیا ہے۔ کہ مجھکو ہر بچہ کی پیدائش میں تکلیف ہوتی تھی۔ مگر فاطمہ نے مجھکو مطلق تکلیف نہ دی۔ مجھکو اسکی محبت روز پیدائش ہی سے بہت زیادہ تھی جب اس کو گود میں لیکر بیٹھتی تو وہ کچھ ایسی محبت کی نگاہوں سے مجھے دیکھتی، کہ ماتا کا جوش ہوتا۔ اور میں اس کو بیتابانہ کلیجہ سے لگا لیتی۔

رسول اللہ کو تبلیغ اسلام ہی سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ بچی کی تربیت پر کوئی خاص توجہ فرماتے۔ ہاں ام المومنین نے اپنی ہونہار بچی کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" ام المومنین ادہر رسول اللہ کے ارشادسے ادہر بچی کی افتاد سے اچھی طرح سمجھ گئی تھیں کہ فاطمہ اپنے وقت کی مریم ہوگی۔ اور اسی لئے فرماتی تھیں کہ مجھے فاطمہ سے زیادہ کسی بچہ کی پرورش میں لطف نہیں آیا۔

ام المومنین خدیجہ کی رحلت اور بی بی فاطمہ کی تربیت

افسوس یہ ہے کہ زمانہ نے ماں کو اپنی اس بچی کی بہار نہ دیکھنے دی۔ بی بی فاطمہ کو بھی ماں کے آغوش میں زیادہ رہنا نصیب نہ ہوا۔ بی بی فاطمہ پانچ برس کی تھیں کہ ام المومنین نے اپنی پیاری بچی سے منہ موڑا۔ اور دوسرے جہان کو سدھاریں، رمضان المبارک کا مہینہ تھا مکے کے مشہور قبرستان حجون میں دفن کی گئیں۔ مگر اس موت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ام المومنین کی وجہ سے جو فتنے دبے ہوئے تھے۔ وہ اب پھر اٹھے اور وہ مفسد و شریر النفس جن کو ام المومنین کی وجہ سے رسول اللہ کی ایذا رسانی

[1] مسلم

اور تکلیف دینے کی زیادہ جرات نہ ہوتی تھی۔ اب بدلہ لینے پر آمادہ ہوئے اور چاروں طرف سے آپ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ایسے نازک موقع پر رسالت مآب کو اپنے ہی مقصد کی کامیابی کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ نہ کہ بچوں کی آسائش و تربیت کا فکر ہوتا، ہاں دفن کے بعد جب گھر تشریف لائے ہیں تو بی بی فاطمہ دوڑ کر لپٹ گئیں۔ اور پوچھا کہ اماں کہاں ہیں۔ صاحب ناسخ التواریخ اس واقعہ کو اس طرح ادا کر رہا ہے۔

نماز ظہر کے بعد جب رسول اللہ اندر تشریف لائے تو معصوم بچی جو چند گھنٹوں سے ماں کی صورت کو پھڑک رہی تھی، باپ کی صورت دیکھتے ہی بیتاب ہوگئی۔ آفتاب تیزی پر تھا فاطمہ ننگے پاؤں دوڑ کر باپ سے لپٹی۔ اور سوال کیا کہ میری ماں کہاں ہیں بیٹی کی صورت اور اس کا یہ سوال کچھ ایسا مؤثر تھا کہ رسالت مآب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مگر وہ ذات پاک جو راستی کا معدن، صداقت کا مخزن خلوص کا مجمع اور نیکی کا منبع تھی۔ ناممکن تھا کہ جواب غلط دیتی۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ فاطمہ کو گود میں لیا گلے لگایا اور فرمایا۔

"خدا کے ہاں"

محلہ یا پڑوس میں کسی سے یہ توقع نہ تھی کہ بن ماں کی بچی کا دل ہاتھ میں لیتا۔ شوہروں کی بیویاں اور بچوں کی مائیں کچکچ بھری ہوئی تھیں۔ مگر ایسی سنگدل اور ظالم کہ کوئی آنکھ اٹھا کر بھی بی بی فاطمہ کو نہیں دیکھتا۔ اسلام کا جھنڈا بلند ہو چکا تھا۔ رسول اللہ علی الاعلان توحید کا وعظ فرما رہے تھے اور یہ ایسا غضب تھا کہ مرد تو مرد عورتیں تک رسول اللہ کی جانی دشمن تھیں کس کی ہمدردی۔ کہاں کی انسانیت اور کیسا ہمسایہ۔ مرد تو الگ رہے۔ عورتیں جسقدر ایذا پہنچاتیں۔ اسیقدر زیادہ خوش ہوتیں۔ صرف فاطمہ بنت اسد اور فاطمہ بنت زبیر دو عورتیں تھیں جو کبھی کبھی آجاتی تھیں۔ اور بن ماں کی بچی کو بہلا لیتی تھیں۔

رسول اللہ کو اپنے کام سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ بیٹی کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ کر سکتے لیکن ماں کے خیالات اور باپ کی صحبت نے ابھی سے ایسے بیج بو دیئے تھے کہ اس عمر

میں بھی وہ اکثر پڑھنے لکھنے میں مصروف رہتیں۔ تعلیم کی ابتدا ماں کی نگرانی میں ہوئی اور اس ابتدائی تعلیم کے متعلق ملا حسین شیرازی ام المومنین خدیجہ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ایک روز جب میں فاطمہ کو سبق دے رہی تھی اس نے دفعتہً مجھ سے سوال کیا کہ ہم خدا کی قدرتوں کو تو ہر وقت دیکھتے ہیں۔ لیکن خدا بھی ہمیں کبھی دکھائی دے گا۔

ام المومنین ہاں وقت بھی آنے والا ہے۔ اگر ہم دنیا میں اچھے اچھے کام کریں گے خدا پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائیں گے۔ عبادت اور اچھے عمل کریں گے۔ تو جب اس دنیا سے رخصت ہوں گے تو خدا کی رضامندی حاصل ہوگی۔ وہی خدا کا دیدار ہے۔

بی بی فاطمہ کی تربیت ام المومنین سودہ نے کی

ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بعد کچھ تو یہ وجہ تھی، کہ ان کا ڈر جاتا رہا اور کچھ یہ کہ رسالت آب کی تلقین اسلام روز بروز بڑھتی جاتی تھی قریش کی دشمنی کی کوئی حد نہ رہی۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ایک مجمع میں باہمی قرارداد یہ ہوئی کہ جو شخص رسول اللہ کا سر کاٹ لائے اس کو ایک گراں بہا انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ ایک روز جب آپ دوپہر کے وقت کھجور کے ایک درخت کے نیچے جنگل بیابان میں تنہا لیٹے ہوئے تھے آنکھ لگ گئی تھی۔ ایک شخص نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ قریب آکر دیکھا تو آپ کی تلوار بھی درخت پر لٹکی ہوئی تھی۔ باغ باغ ہو گیا کہ آج خدا نے بہت بڑی کامیابی دی۔ اس سے بہتر موقعہ کونسا ہوگا۔ فوراً سر جدا کرلوں۔ چنانچہ اس نے تلوار اتار لی۔ ادھر آپ کی آنکھ کھل گئی۔ اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو اس نے طیش میں آکر کہا کہ اب کون بچانے والا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ اتفاق سے تلوار اس شخص کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور آپ نے تلوار اٹھا کر اس سے دریافت کیا کہ اب تجھکو بچانے والا کون ہے۔ وہ شخص سرنگوں تھا۔ آپ نے اپنے کرم سے اس کا قصور معاف کیا۔ اور وہ آپ کا کلمہ پڑھتا ہوا چلا گیا۔[1]

[1] سپرٹ آف اسلام

ایسی دشمنی کی حالت میں کہ پاؤں کی چیونٹی بھی آپ کی دشمن تھی آپ کو کس طرح خانہ داری کے جھگڑوں پر توجہ کرنے کی مہلت مل سکتی تھی۔ مگر بچوں کی پرورش اور بی بی فاطمہ کی تربیت کے واسطے ایک معمر تجربہ کار اور دیندار عورت کی اشد ضرورت تھی جو گھر کے کام کاج کو سنبھالے۔ اور بچوں کی دیکھ بھال بھی کر سکے۔ قریش کے وہ چند لوگ جو اب تک ایمان لا چکے تھے۔ ان میں دو غریب میاں بیوی سکران اور سودہ بھی تھے۔ مگر ان کا مسلمان ہونا ان کے واسطے مصیبت ہو گیا۔ دشمن جو ایذائیں ان کو پہنچا سکتے تھے وہ پہنچاتے میل جول تو خیر ایسی چیز نہ تھا اور خود یہ دونوں بھی اس کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ مگر ظالموں نے غضب کیا کہ دن دہاڑے گھر میں پتھر پھینکتے، یہاں تک کہ ایک دفعہ سکران کا سر پھوٹ گیا۔ اور خون کی تلّی بندھ گئی۔ مجبوراً ان دونوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہا۔ اور ان کم بختوں کے ہاتھ سے اس طرح چھٹکارا پایا کہ حبشہ روانہ ہو گئے۔ مگر تقدیر کی بات ہے کہ سکران کی عمر نے وفا نہ کی۔ ابھی پوری طرح بسنے بھی نہ پائے تھے کہ سکران کو موت آ گئی۔ اور وہ بیوی کو بیکس چھوڑ کر رخصت ہوا۔ اب بی بی سودہ کی حالت بہت ہی زبوں تھی عزیز موجود تھے مگر خون کے پیاسے اور جان کے دشمن۔ رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ مجبور حبشہ سے چلیں۔ اور مکہ معظمہ واپس آئیں اور اپنی داستانِ مصیبت رسول اللہ کو سنائی۔ آپ بہت آبدیدہ ہوئے اور گو ام المومنین خدیجہ کی طرح بی بی سودہ بھی آپ سے عمر میں بڑی تھیں۔ مگر آپ نے ان کی دلجوئی کے واسطے ان سے نکاح کر لیا۔ اور اس طرح سیدۃ النسا کی تربیت کا یہ دور ام المومنین سودہ کی نگرانی میں شروع ہوا۔ بی بی سودہ کو زندگی کی ضرورتیں اب زیادہ باقی نہ رہی تھیں وہ اب صرف دین کی درستی میں مصروف تھیں۔ اور چاہتی تھیں کہ کسی طرح رسول اللہ کی خدمت میں حاضر رہوں چنانچہ انہوں نے ایک موقع پر صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ میرے واسطے صرف یہی کافی ہے کہ میں قیامت کے دن آپ کی بی بی

---

[1] مسلم

کہہ کر پکاری جاؤں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ام المومنین سودہ کے خیالات کس قسم کے ہوں گے اور انہوں نے بی بی فاطمہ کی تربیت اس امر کہ وہ جگر گوشۂ رسول ہیں کس طرح کی ہوگی صاحب مدارج النبوۃ لکھتا ہے کہ اس عقد سے پیغمبر علیہ السلام کو فاطمہ کی طرف سے پورا اطمینان ہوگیا۔ بی بی سودہ کا یہ تقاضا عمر تھا۔ اور اس پر اسلام کا عشق کہ وہ ہر وقت خدا اور اسکے رسول کی یاد میں مصروف رہتیں۔ وہ بیج جو بی بی خدیجہ اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنی بچی کے ننھے سے دل میں بو گئی تھیں اور جو رسول اللہ کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے۔ اب بی بی سودہ کے ہاتھوں سینچے گئے۔ بی بی سودہ کی یہ تربیت جسمیں فاطمہ بنت اسد کے درس بھی شامل ہیں۔ گو بی بی فاطمہ کی پرورش کے لئے کافی تھے۔ اور رسول اللہ کو اسطرف سے پورا اطمینان تھا۔ مگر قریش کی ایذارسانی اب حد کو پہنچ گئی اور وہ اس قدر جفا کار ہو گئے تھے کہ جس راستے سے حضور کا گذر ہوتا۔ وہاں کنوئیں کھود کر اُن کے منہ پر گھاس پھونس اور تنکے بچھا دیتے تاکہ اندھیرے اُجالے اُن میں گر پڑیں، ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ نے قریش کو جمع کر کے اُن سے کہا کہ اگر تم میں سے چند آدمی بھی میرے ساتھ ہو جائیں تو دیکھنا خدا کے احکام کی کس طرح تعمیل ہوتی ہے۔ سرداران قریش نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا اور اس فقرہ کا مضحکہ اڑایا۔ مگر مجلس میں سے ایک دس برس کا بچہ اٹھا اور آگے بڑھ کر بولا کہ یا رسول اللہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ یہ بچہ وہی بچہ ہے جس کو آگے چل کر بیوی فاطمہ کے شوہر ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ اس وقت تو سب نے قہقہہ مارا۔ مگر کسے خبر تھی کہ بچہ کے الفاظ صداقت سے بھرے اور خلوص سے پُر ہیں۔

جب بی بی فاطمہ کی عمر قریباً دس برس کی تھی اور گو ان سے کوئی مافوق الفطرۃ باتیں ظہور میں نہ آرہی تھیں۔ لیکن فراست و دانشمندی نے خود بیوی سودہ کو ان کا اس حد تک گرویدہ کر لیا تھا کہ ان کو دم بھر کی مفارقت بی بی فاطمہ کی گوارا نہ تھی۔ عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ فاطمہ کی خداداد ذہانت، ان کی قابلیت ان کا صبر و شکر اسی عمر میں

عام طور پر مشہور ہو چکا تھا۔ اور اس حد کو پہنچ گیا تھا، کہ نہ صرف مسلمان عورتیں بلکہ اب دور دور سے غیر مسلم عورتیں بھی بنت الرسول کو دیکھنے آئیں۔ فاطمہ شامیہ جو ایک بڑے امیر کی لڑکی تھی اور جو کسی زمانہ میں رسالت مآب کے والد بزرگوار عبد اللہ سے نکاح کی خواہشمند تھی۔ اس کی بابت صاحب ناسخ التواریخ یہ لکھ رہا ہے کہ جس وقت آپکی شادی آمنہ سے ہو چکی ہے اور وہ حاملہ ہو گئیں تو عبد اللہ نے نکاح پر رضامندی ظاہر کی۔ مگر فاطمہ شامیہ نے اب یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں صرف اس روشنی کی خواہشمند تھی جو آپکی پیشانی میں چمک رہی تھی۔ لیکن وہ جس کی تقدیر کی تھی اس کے پاس گئی۔ اب میں اس درخواست کو نامنظور کرتی ہوں۔ یہی فاطمہ شامیہ بی بی سیدہ کے زمانہ طفولیت میں زندہ تھی۔ اور جب اس نے اس بچی کی ذکاوت اور فراست کا شہرہ سنا تو شام سے چل کر مکہ آئی۔ خود زبردست عالم تھی۔ توریت و زبور پر عبور تھا۔ بہت سے تحائف ساتھ لائی کچھ میوے تھے کچھ موتی تھے۔ کپڑا تھا۔ اور کھانے پینے کی بہت سی چیزیں بی بی فاطمہ نے اپنے مہمان کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اور کہا ان موتیوں کا صرف کار خیر سب سے بہتر ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو یہ اسلام کی خدمت میں کام آئیں۔ فاطمہ شامیہ نے یہ سنکر بی بی فاطمہ کو سینے سے لگا لیا۔ اور یہ دیکھکر دنگ رہ گئی کہ کھانے کا بڑا حصہ انہوں نے ان مسلمانوں کی نذر کر دیا جو راہ حق میں ہر وقت سینہ سپر تھے۔

بی بی فاطمہ کی مکہ سے روانگی

قریش کی طرف سے جو تکلیفیں رسول اللہ کو پہنچ رہی تھیں وہ بہت زیادہ ہو گئیں اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ رسالت مآب نے مکہ سے روانگی کا قصد کیا۔ اہل مدینہ کی ایک جماعت اسلام قبول کر چکی تھی اور ان لوگوں کا مدت سے اصرار تھا کہ رسول اللہ مدینہ تشریف لے آئیں۔ ادھر قریش کی دشمنی ادھر ان لوگوں کا اصرار رسالت مآب مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ تشریف لے آئے۔ اور بال بچوں کی حفاظت اسی بارہ سال کے لڑکے یعنی حضرت علی کے سپرد کی اور گو مخالفین کا زور اب بھی کچھ کم نہ ہوا۔ لیکن حضرت

علی ہر وقت ایک تلوار ہاتھ میں لئے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں مصروف تھے۔ اُنکی اس ہمت و جراُت کا رسول اللہ پر بہت بڑا اثر ہوا۔ مگر اس خیال سے کہ ظالم نہ معلوم کیا فتنہ کھڑا کردیں۔ آپ نے ان سب کو اپنے پاس بلا لیا۔ بی بی فاطمہ ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ اور حضرت علیؓ اُن کی حفاظت میں پیدل چل رہے تھے کہ دو آدمیوں نے جو مسلم نہ تھے اہلبیت پر حملہ کیا۔ دو جوانوں کا مقابلہ ایک بارہ برس کے بچے سے تھا، مگر خدا کی اعانت شامل حال تھی۔ ان میں ایک بہت بُری طرح زخمی ہوا۔ اور تلوار ایسی کاری لگی کہ گر کر اُٹھنا نصیب نہ ہوا۔ دوسرا اپنے رفیق کی یہ حالت دیکھکر ایسا دم دبا کر بھاگا کہ پھر مدینہ تک اس کی صورت نہ دکھائی دی۔ رسالت مآب نے یہ واقعہ سنکر حضرت علی کو گلے سے لگا لیا اور درازیٔ عمر کی دعا کی

بی بی فاطمہ کا نکاح | چاہیے کہ مدینہ پہنچکر آنحضرت کو کوئی دن اطمینان کا نصیب ہوتا تو یہ مکہ کی طرح یہاں بھی وہی روز روز کے قصے قضیئے اور ہر وقت کے لڑائی جھگڑے خود اہل مدینہ اور گرد و نواح کے یہودی اگر ذرا موقع پاتے تو مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کسر نہ اٹھا رکھتے۔ بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور مسلمان کامیاب بھی ہوئے۔ مگر تعصب کی آگ کسی طرح فرو نہ ہوئی۔

یوں تو شروع ہی سے حضرت علی کی محبت رسول اکرم کے دل میں جگہ پائے ہوئے تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ بچوں کی طرح پالا۔ بیٹوں کی طرح رکھا۔ لیکن اس پریشانی میں حضرت علی نے کچھ ایسا ساتھ دیا اور ایسے کارنمایاں کئے کہ حد درجہ کی محبت میں اعلیٰ درجہ کی وقعت بھی شامل ہوگئی۔ اس وقت حضرت سیدہ بھی بچپن کا زمانہ ختم کرچکی تھیں ہوشیار ہونا تھا کہ چاروں طرف سے نکاح کے پیغام آنحضرت کے پاس آنے لگے۔ لیکن رسالت مآب نے سب کو صاف جواب دیدیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ دوپہر کے وقت حضرت عمر ایک طرف سے آرہے تھے۔ راستہ میں دیکھا کہ حضرت علیؓ جنگل میں اپنا اونٹ چرا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ علی تم بانیٔ اسلامؐ سے فاطمہ کی درخواست کیوں نہیں کرتے۔ میرے خیال

لہ عمل الشرائع ۲ہ مدارج النبوۃ

ہیں تم کو ضرور کامیابی ہوگی حضرت فاروق کے یہ الفاظ سنکر حضرت علی کچھ آبدیدہ سے ہوگئے۔ اور فرمایا۔ اے عمرؓ کیوں اس آگ کو بھڑکاتے ہو جس کو میں مدت سے اپنے سینہ میں دبائے ہوں۔ اتنا کہہ کر حضرت علی کے چہرے سے کچھ اداسی ظاہر ہونے لگی۔ مگر بالآخر حضرت علی معہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ آنحضرت کے مکان کی طرف اسی غرض سے روانہ ہوگئے۔

اسوقت رسالت مآب ام سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت علی نے آکر دروازہ پر ہاتھ مارا۔ آنحضرت نے اندر بلایا۔ اور حضرت علی شرم کے مارے گردن نیچی کرکے آبیٹھے کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی۔ آخر آنحضرت نے فرمایا۔ اے علی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کہنا چاہتے ہو۔ اور شرم اجازت نہیں دیتی۔ جو کچھ کہنا ہو کہو۔ حضرت علی نے عرض کیا اے خدا کے سچے رسول! میں بچپن ہی سے اپنے باپ ابوطالب اور ماں فاطمہ بنت اسد سے علیحدہ ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے آپ نے اپنی روٹی سے پالا۔ اور اپنی صحبت میں ادب سکھایا۔ ماں ہیں تو آپ اور باپ ہیں تو آپ۔ بلکہ دونوں سے بہتر ہیں آپ۔ آج میری دنیا و آخرت کی پونجی جو کچھ ہیں وہ آپ۔ مجھے شرف غلامی حاصل ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ فاطمہ کا نکاح مجھ سے ہوجائے۔

یہ سنکر آنحضرت نے تبسم فرمایا اور حضرت علی سے دریافت کیا کہ فاطمہ کے نکاح کے واسطے تمہارے پاس کچھ جمع ہے۔ حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے مال و متاع کا حال آپ کو معلوم ہے۔ ایک تلوار۔ ایک اونٹ۔ ایک ذرہ ان تینوں چیزوں کا مالک ہوں اور اس کے بعد اللہ کا نام ہے۔

حضرت علی کے اس جواب سے رسالت مآب کے چہرہ پر مسکراہٹ آگئی اور فرمایا[1] تلوار تم کسی طرح علیحدہ نہیں کرسکتے۔ اپنی حفاظت دشمنوں کا مقابلہ اس کو الگ کردگے تو بالکل نہتے رہ جاؤگے۔ اس کا تمہارے پاس رہنا نہایت ضروری ہے۔ رہا اونٹ

[1] علل الشرائع

اس کا علیحدہ کرنا بھی مشکل ہے۔ سفر در پیش آیا تو سخت زحمت ہوگی۔ یہ بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ ایک ذرہ باقی رہ گئی۔ جو بظاہر ان دونوں چیزوں کے مقابلہ میں زیادہ کام کی نہیں۔ اس کی علیحدگی ممکن ہے۔ بس اس معاملہ میں تم کو جواب قطعی کچھ دیر کے بعد دیتا ہوں۔ اس وقت رسالت مآب سیدھے سیدہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا

"علی تیری خواہش لے کر میرے پاس آیا ہے"

سیدۃ النساء اس وقت کلام اللہ پڑھ رہی تھیں۔ رسول اللہ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر خاموش ہو گئیں۔ اور گردن جھکالی۔ چند لمحہ تک سرور کائنات بیٹی کے چہرے کو ملاحظہ فرماتے رہے۔ لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ نے اس خاموشی کو رضامندی خیال فرمایا۔ اور کہا

"فاطمہ کی خاموشی اس کی رضامندی ہے"

سیدۃ النساء اپنے محترم باپ کے یہ الفاظ سنکر اور بھی شرما گئیں۔ اور چہرہ چھپا لیا۔ رسالت مآب نے اس وقت زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور پھر ام سلمہ کے گھر میں تشریف لائے۔ اور ایک کونہ میں خاموش بیٹھ گئے۔

فاطمہ کے نکاح پر بعض مصنفین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ نکاح پہلے آسمان پر ہوا۔ اور اس کے بعد زمین پر انجام پایا۔ غالباً اسی روائت نے عورتوں کے دل میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا ہے کہ ہر لڑکی کا نکاح پہلے آسمان پر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد زمین پر۔ بہرحال ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ تعجب کیا ہے جو رسالتمآب اس نکاح میں خدا کی مرضی معلوم کرنے کے منتظر رہے ہوں۔ اور صاحب خمیس کی رائے کے بموجب انکو اس عقد میں ادھر سے بھی اجازت ملی ہو۔ المختصر تھوڑی دیر بعد رسول اللہ کونہ سے اٹھے۔ اور حضرت علی کے پاس تشریف لا کر فرمایا میں فاطمہ کو تمہارے نکاح

ـلـه ابن جوزی

میں دینے پر رضامند ہوں، زرہ فروخت کر دو۔ اس میں تمہارا مہر بھی ہو جائے گا۔ اور باقی سامان بھی اسی میں سے آجائے گا۔ اتنا سنتے ہی حضرت علی کا چہرہ خوشی کے مارے کھل گیا۔ وہ ہشاش بشاش ام سلمہ کے گھر سے باہر نکلے۔ اور زرہ کے بیچنے کا ارادہ کیا کہ دفعتہً ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ان سے بھی ملے اور پوچھا کہ فاطمہ کے بارے میں رسول اللہ نے کیا جواب دیا۔ حضرت علی کے چہرے کی بشاشت اور خوشی جو اس وقت ظاہر ہو رہی تھی۔ دونو کے سوال کا جواب تھا۔ حضرت علی نے مفصل کیفیت بیان کی۔ اور کہا کہ رسول اللہ مسجد میں تشریف لاتے ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں تاکہ نکاح کا اعلان ہو جائے۔

دونو بزرگ معہ حضرت علی کے مسجد میں تشریف لائے۔ ابھی اندر نہ داخل ہوئے تھے کہ سرور کائنات بھی تشریف لے آئے۔ اور بلال سے کہا کہ مہاجر و انصار کو جمع کرو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں فوراً تمام مہاجر و انصار جو وہاں موجود تھے جمع ہو گئے۔ رسول اللہ اس وقت منبر پر تشریف لائے۔ خطبہ نکاح پڑھا اور فرمایا۔ میں نے اپنی بیٹی فاطمہ کو چار سو مثقال کے عوض علی کے نکاح میں دیا۔ اس کے بعد حضرت علی سے فرمایا۔ علی۔ اٹھو اور خطبہ کے قاعدہ کو بجالاؤ۔ علی اُٹھے اور کہا تحقیق میرا نکاح محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی ارجمند صاحبزادی فاطمہ کے ساتھ چار سو مثقال مہر کے عوض کر دیا۔ جو بخوشی مجھکو منظور ہے۔ مسلمانوں کی جماعت اس نکاح کی گواہ رہے۔

حضرت علی کے اس اعلان پر چاروں طرف سے دعا کی آوازیں آنے لگیں۔ نکاح کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ حافظ مغلطائی اور احمد بن عبد اللہ حجری لکھتے ہیں۔ صفر میں ہوا۔ اصابہ کی رائے ہے کہ محرم اور کتاب خمیس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجب۔ عمر کا بیان ہے کہ یہ نکاح کا واقعہ بدر کے بعد شوال ۳ھ ہجری میں ہوا۔ اسی طرح رقم مہر میں بھی صاحب ناسخ التواریخ کے قول کے بموجب تھوڑا سا اختلاف ہے۔ وہ چار سو مثقال سے کچھ کم لکھتا ہے۔ بہر حال مہر چار سو مثقال کے قریب تھا۔

نکاح سے فراغت پانے کے بعد رسول اللہ نے علی سے فرمایا علی جاؤ۔ اور زرہ بیچ ڈالو۔ اور اس کی قیمت مجھے لادو۔ چنانچہ حضرت علی زرہ ساتھ لے کر بازار میں آئے عثمان غنی نے وہ زرہ خریدی۔ اور چار سو مثقال حضرت علی کو دیئے۔ جب حضرت عثمان قیمت دے چکے اور زرہ ان کے قبضہ میں آگئی۔ مثقال حضرت علی نے گن کر رکھ لئے تو عثمان غنی نے حضرت علی سے کہا۔ علی یہ زرہ تم کو مجھ سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ روپیہ بھی لیجاؤ اور زرہ بھی۔ میں نے قاعدہ شرعی کے موافق اس لئے کہ زرہ اب میری ملکیت ہے۔ تم کو ہبہ کی حضرت علی نے وہ زرہ لے لی۔ اور مثقال چادر کے ایک کونے میں باندھ کر رسالتماب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور از ابتدا تا انتہا تمام واقعہ عرض کیا جس وقت رسالتمآب نے حضرت عثمان کا حال سنا تو آپ نے دست مبارک آسمان کی طرف اٹھائے اور حضرت عثمان کے حق میں دعائے خیر کی۔ اس وقت رسالتمآب نے بغیر گنے دونوں مٹھیاں بھر کر درم حضرت ابوبکر کو دیئے اور فرمایا جاؤ فاطمہ کی روانگی کی تیاریاں کرو۔ ابوبکر صدیق کا بیان ہے میں نے گنا تو وہ مثقال تین سو ساٹھ تھے۔ میں نے ایک بچھونا۔ ایک چمڑے کا تکیہ جس میں اون بھرا ہوا تھا۔ ایک مٹی کا پیالہ چند مٹی کے آبخورے۔ ایک پردہ یہ سب چیزیں خریدیں۔ اور لے کر سرورعالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس موقع پر صرف ناسخ التواریخ کے بیان میں تھوڑا سا اضافہ ہے۔ وہ اس تمام سامان کو تسلیم کرنے کے بعد دو چاندی کے بازوبند بھی لکھ رہا ہے۔

ابوبکر صدیق فرماتے ہیں۔ جب میں یہ سامان لے کر سرور عالم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے تمام سامان ملاحظہ فرمایا اور چشم مبارک میں آنسو آگئے اس وقت آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"الہی برکت دیجیو اس قوم کو جس کا بہتر سامان مٹی کے برتن ہوں"

ہم اس سامان کو آج کل کی رسم کے موافق وہ چڑھاوا سمجھ لیتے ہیں جو دولہا کی طرف سے

دلہن کو ملتا ہے۔ اور صاحب ناسخ التواریخ کے قول کے موافق اس سامان کو جو رسالتمآب کی طرف سے دیا گیا، سیدہ کا جہیز۔ اور جس کی تفصیل وہ اس طرح سے کرتا ہے۔

ایک چکی۔ دو پاجامے۔ دو مشکے۔ ایک بدھنی۔ ایک بستر ایک جانماز اور کلام اللہ کی چند سورتیں۔

اب رسول اللہ نے حکم دیا کہ فاطمہ کے نکاح کی خوشی میں دف بجایا جائے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور دف بجنے لگا۔ رسالت مآبؐ اس وقت بی بی فاطمہ کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ غمگین اور خاموش بیٹھی تھیں۔

بہت ممکن ہے کہ یہ خموشی بی بی فاطمہ کو میکے کی مفارقت سے ہو۔ مگر صاحب ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ اس وقت رسول اللہ نے سیدہ کو تسکین دی اور یہ فرمایا۔

فاطمہ اللہ غنی وانتم الفقراء اے بیٹی دنیا کی تکلیفیں چند روزہ ہیں۔ خدا کے ہاں جا کر آرام لینا۔

ہم کو ناسخ التواریخ سے اس معاملہ میں اتفاق نہیں ہے اور ناسخ التواریخ ہی نہیں۔ اصابہ نے بھی اس وقت کی گفتگو میں جو کچھ لکھا ہے اس میں بی بی فاطمہ کی افسردگی میں افلاس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام خموشی اور رنج و ملال صرف اس لئے تھا کہ حضرت علی مفلس تھے۔ لیکن وہ پاک بی بی جس نے بچپن میں ہی اپنی عادات و خصائل سے ظاہر کر دیا تھا کہ دولت رغبت کی چیز نہیں۔ ہرگز اس خیال سے ملول نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے یہ خموشی صرف اس جدائی کی تھی۔ جو ہر لڑکی کو وداع کے وقت ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ نے بھی اسی کے متعلق تسکین فرمائی۔ ہاں رسالتمآب نے اس لئے کہ وہ بشر ہیں، یہ خیال فرمایا ہوگا کہ شاید فاطمہ علی کے افلاس سے خموش ہے۔ اور تسکین میں صرف اس طرف اشارہ کر دیا ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ

ـــــــــــ

ا ناسخ التواریخ

شوہر کے افلاس سے رنجیدہ تھیں۔ اسی قسم کی ایک بحث بعض مورخین نے دوسرے پیرایہ میں بھی کی ہے کہ وداع کے بعد ایک روز سرور کائنات نے سیدہ کو ملول پایا تو دریافت کیا۔ فاطمہ خاموش کیوں ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ قریش کی عورتیں طعنہ دیتی ہیں کہ تیرا باپ اور شوہر دونوں فقیر ہیں جس کے جواب میں رسول اللہ نے بی بی فاطمہ کی بہت تسکین فرمائی اور کہا تیرا شوہر اہل بیت میں سب سے بہتر ہے۔

افسوس ہم کو اس سے بھی اتفاق نہیں۔ سیدہ کی بابت یہ خیال کرنا کہ وہ اس عقد سے ملول تھیں۔ ان کی تمام صفات حسنہ کو بٹہ لگانا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ قریش کی عورتوں نے طعنہ دیا ہو۔ لیکن اس طعنہ کا اتنا اثر کہ بی بی فاطمہ جیسی خاتون اس سے اس درجہ متاثر ہوتیں کہ رسول اللہ سے شکایت کرتیں۔ قرین قیاس نہیں اسی قسم کا ایک واقعہ ایک صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

ایک روز ایک سائل حضرت علی کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ اپنی ماں سے کہو جو رکھا ہو۔ اس کو دیدیں۔ چنانچہ وہ اندر گئے۔ اور واپس آکر کہا کہ وہ فرماتی ہیں کہ یہ درہم ہم نے آٹے کے واسطے رکھا ہے۔ اس پر حضرت علی نے پھر دوبارہ بھیجا۔ اور کہا نہیں فوراً دیدو۔ چنانچہ وہ درم دیدیا گیا۔

ان واقعات کا یقین کرنا سراسر غلطی ہے۔ ہم کو حضرت علی کی سخاوت اور ایثار سے انکار نہیں۔ مگر سیدہ کا ایثار اپنے نیک شوہر سے کسی طرح کم نہ تھا۔ ناممکن تھا کہ حضرت علی ایک سائل کو بھیجتے۔ اور بی بی فاطمہ اپنی ضرورت کا عذر کرکے اس کو ٹال دیتیں۔ دوسرے حضرت علی کے حکم سے انکار بھی ایک ایسا الزام ہے جس سے سیدہ کا دامن ہم کو بالکل پاک نظر آرہا ہے۔

ہم اس بحث کو اسی جگہ ختم کرتے ہیں۔ ان کے ایثار کی تفصیل میں اس پر پوری روشنی ڈالیں گے۔ الغرض جب یہ تمام سامان حضرت صدیق لے آئے تو رسول اللہ نے

وہ درم جو اب باقی رہے تھے۔ حضرت علی کو دیدئے کہ چھوارے اور پنیر لے آؤ۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔ میں بازار گیا۔ پانچ درہم کا گھی خریدا۔ چار کے چھوارے اور ایک کا پنیر۔ یہ سب چیزیں لاکر رسالتآب کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپ نے سب کو ملاحظہ فرماکر دستر خوان طلب کیا۔ اور ان کو ملا کر حبیس بنایا۔ اور مجھکو حکم دیا باہر جاؤ۔ اور جس مسلمان سے ملاقات ہو اندر بلا لاؤ۔ چنانچہ میں اس حکم کی تعمیل میں باہر گیا۔ اور جو لوگ ملے اُن کو اندر بلاکر کھانا کھلایا۔ جب یہ لوگ کھاکر چلے گئے۔ تو آپ نے ایک مٹی کا پیالہ مانگا۔ اور اس کو حبیس سے بھر کر فرمایا یہ فاطمہ اور اس کے شوھر کا ہے۔ اس کے بعد ازواج مطہرات کو دیا۔ اور ام سلمہ سے فرمایا۔ جاؤ فاطمہ کو بلا لاؤ وہ اُٹھیں اور جاکر سیدۃ النسا کو اپنے ہمراہ لائیں۔ اس وقت سیدہ کے چہرہ سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ قریب پہنچیں تو رسول اکرم نے وہ ردا جو بطور برقعہ کے چہرے پر تھی ہٹائی اور اپنے سینہ پر بائیں طرف سیدہ کا سر رکھا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور حضرت علی کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر فرمایا۔

"علی! پیغمبر[1] کی بیٹی تجھے مبارک ہو"

اس کے بعد سیدۃ النسا کی طرف منہ کیا اور فرمایا۔

فاطمہ تیرا شوہر بہت اچھا شوہر ہے

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ تھوڑا سا پانی لاؤ۔ جب پانی آگیا تو آپ نے اسمیں سے تھوڑا سا پھینکدیا۔ کچھ دعا دم کی۔ اور حضرت علی سے کہا۔ اسمیں سے تھوڑا سا پی لو اور تھوڑا سا چھوڑ دو۔ چنانچہ حضرت علی نے پانی پیا۔ اور تھوڑا سا چھوڑ دیا۔ جو باقی رہا تھا وہ سینہ اور منہ پر چھڑکا۔ اور تھوڑا سا پانی حضرت علی سے اور طلب کیا۔ اور اسی طرح حضرت فاطمہ کے واسطے دعا کی۔ اور ان کو پلایا۔ اس کے بعد حضرت علی اور رسول اکرم مسجد میں تشریف لے آئے اور نکاح سے فراغت پائی۔

---

[1] اصابہ

سیدۃ النساء کی وداع | نکاح کو ایک مہینہ سے زیادہ گزر گیا۔ تو ایک روز حضرت علی کے بھائی عقیل نے کہا ہماری خواہش ہے کہ ہم رسول اکرم سے درخواست کریں کہ وہ فاطمہ کو وداع کردیں۔ حضرت علی نے فرمایا میری دلی خواہش بھی یہی ہے مگر کیا کروں مجھ کو رسالتمآب سے عرض کرتے ہوئے کچھ شرم سی معلوم ہوتی ہے۔ عقیل نے کہا چلو میں اور تم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ التجا پیش کریں۔ حضرت علی کو حجاب دامنگیر تھا۔ مگر عقیل کے زیادہ اصرار سے رضامند ہو گئے۔ اور دونوں اس درخواست کے پیش کرنے کے واسطے روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کی کنیز ام ایمن ملیں۔ اور دریافت کیا کہ علی اور عقیل! کدھر کا قصد ہے۔ حضرت علی خاموش ہو گئے۔ مگر عقیل نے مفصل کیفیت ظاہر کردی۔ اور کہا رسول اکرم کی خدمت میں اس غرض سے جاتے ہیں کہ فاطمہ کی وداع کی درخواست پیش کریں۔ ام ایمن نے کہا میرے خیال میں یہ زیادہ بہتر ہو گا کہ پہلے ازواج سے مشورہ کر لو۔ اگر وہ بھی اس رائے سے اتفاق کرلیں تو بہت اچھا ہو گا۔

عقیل نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور حضرت علی نے بھی یہی بہتر خیال کیا اور یہ تینوں عقیل۔ ام ایمن اور علی سب سے پہلے ام سلمہ کے گھر گئے۔ ام ایمن نے ان سے مفصل کیفیت بیان کی۔ ام سلمہ یہ سنکر بہت خوش ہوئیں۔ اور دونوں کو ساتھ لیکر تمام ازواج مطہرات کو اس مشورہ میں شریک کیا۔ اور بالآخر یہ جماعت عائشہ صدیقہ کے پاس پہنچی۔ جہاں رسالتمآب تشریف فرما تھے۔ کچھ دیر مختلف معاملات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد ام سلمہ نے بی بی خدیجہ کا تذکرہ شروع کیا اور کہا اس وقت اگر وہ زندہ ہوتیں تو فاطمہ کے نکاح کی اُن کو کس قدر مسرت و شادمانی ہوتی۔ رسالتمآب کی چشم مبارک میں آنسو آ گئے اور آپ نے فرمایا خدیجہ کا مثل کہاں سے لاؤں اس نے میری تصدیق ایسے وقت میں کی جب دنیا مجھے جھٹلا رہی تھی۔ اس نے اپنا مال اس وقت جب سب مجھ کو محروم کر رہے تھے۔ راہ حق میں قربان کیا۔ اس نے میری خدمت۔ اسلام کی حمایت اور مسلمانوں کی

اعانت میں کبھی اور کسی طرح کسر نہ کی۔ ام سلمہ نے حضرت اکرم کے اس ارشاد پر کہا درست ہے یا رسول اللہ
معبود حقیقی اب ہم سب کو ان سے جنت الفردوس میں ملائے۔ تمام بیبیوں نے اس پر کہا! آمین۔ اللہ
اس کے بعد ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ آپ کے بھائی اور چچا کے لڑکے علی اپنی بیوی فاطمہ کی وداع
کے واسطے درخواست کرنے حاضر ہوئے ہیں۔ باہر کھڑے ہیں۔ رسالت مآب نے فرمایا مجھے آجتک
علی نے اس کے متعلق کبھی کچھ نہ کہا۔ جاؤ ان کو بلا لاؤ۔ ام سلمہ نے کہا آپ علی سے اچھی طرح واقف
ہیں۔ شرم نے ان کے منہ پر مہر لگا رکھی ہے۔ اور وہ کچھ عرض نہ کر سکے۔ یہ کہہ کر وہ کھڑی ہوئیں
اور حضرت علی کو آواز دے لی۔ جب حضرت علی سامنے آئے تو رسول اکرم نے سلام کا جواب
دیکر فرمایا علی کیا تم چاہتے ہو کہ میں فاطمہ کو رخصت کر دوں۔ رسالت مآب کے اس استفسار کے
جواب میں حضرت علی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور گردن جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ اور امہات
المومنین نے جو اس وقت موجود تھیں عرض کیا کہ شرم علی کو اجازت نہیں دیتی۔ مگر یہ خواہش
ان کو اس وقت یہاں لائی ہے۔ سرور کائنات نے حکم دیا کہ جاؤ فاطمہ کو بلا لاؤ چنانچہ ام
ایمن جا کر بی بی فاطمہ کو بلا لائیں۔

یہاں ناسخ التواریخ اصابہ عبد اللہ ہجری کے اقوال میں اختلاف ہے۔ صاحب ناسخ التواریخ
اور عبد اللہ کا بیان ہے کہ پہلے امہات المومنین نے بی بی فاطمہ کو نہلا دھلا کر دلہن بنایا اور
اس کے بعد لائیں۔ مگر اصابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فوراً بلا لی گئیں۔

الغرض جب بی بی فاطمہ تشریف لے آئیں تو سرور کائنات نے حضرت علی کو سیدھے ہاتھ
کی طرف بٹھایا اور بی بی فاطمہ کو الٹے ہاتھ کی طرف۔ اس کے بعد دونوں کو کچھ نصیحتیں کیں
جو حقوق زوجین کے متعلق تھیں۔ لیکن افسوس ان نصیحتوں کی تصریح میں سب خاموش ہیں۔
صرف ملا حسین شیرازی اتنا لکھتا ہے کہ پہلے آپ نے حضرت علی سے فرمایا۔ علی فاطمہ کے رضامند
رکھنے کی کوشش کیجو۔ پھر بی بی فاطمہ سے یہی الفاظ فرمائے۔ اس کے بعد آپ بی بی فاطمہ
اور حضرت علی کو ساتھ لے کر دروازہ تک تشریف لائے۔ بی بی فاطمہ کی پیشانی

کو بوسہ دیا۔ اور دونوں کے حق میں دعا کی عقیل نے پہلے ہی سے اونٹ لاکر کھڑا کردیا تھا۔ بی بی فاطمہ اس پر سوار ہو کر وداع ہو گئیں۔ یہاں بھی تھوڑا سا اختلاف نظر آرہا ہے۔ ایک بیان یہ بھی ہے کہ ام سلمہ سے کہا فاطمہ کے حجرے میں جھاڑو بہارو وغیرہ۔ اور بی بی فاطمہ اس روز نہیں بلکہ اس کے تیسرے روز وداع ہوئی ہیں۔ مگر پہلا بیان زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اسی پر زیادہ اتفاق ہے۔ اسماء بنت عمیس اس وقت موجود تھیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ لڑکیوں کو وقت بیوقت کے واسطے کسی بڑی بوڑھی کی ضرورت ہوتی ہے جس وقت ام المومنین بی بی خدیجہ کی حالت خراب ہوئی ہے اور ان کو اپنی موت کا یقین ہو گیا میں ان کی خدمت میں حاضر تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ چپکے چپکے رو رہی ہیں مجھے تعجب ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اس وقت آپ کیوں رو رہی ہیں۔ آپ پیغمبر آخرالزمان کی بیوی اور وہ بیوی ہیں کہ آپ کے احسانات کا رسالتمآب نے بارہا اعتراف کیا ہے۔ آپ کی تمام خدمات کا معاوضہ اب آپکو ملیگا۔ یہ وقت رونے کا نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا اسماء دلہنوں کو شوہروں کے ہاں جاکر پہلے پہلے عقلمند ساتھ والیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیا گھر ہوتا ہے۔ نئے لوگ ہوتے ہیں۔ اور زندگی کا اصلی دور اسی وقت سے شروع ہوتا ہے۔ دل گھبراتا ہے طبیعت پریشان ہوتی ہے۔ ساتھ والیاں اس لئے جاتی ہیں کہ ماں باپ سے چھوٹی ہوئی بچی اور گھر بار سے بچھڑی ہوئی دلہن کا دل بہلالیں۔ میری بیٹی فاطمہ بچہ ہے۔ خبر نہیں اس کی شادی کس عمر میں ہو۔ اور اس کو اس وقت جب یہ اس گھر سے رخصت ہو کر ایک نئی دنیا میں قدم دہرے کوئی شائستہ عورت میسر ہو یا نہو۔ یہ ہے وہ خیال جو اس وقت مجھے رلوا رہا ہے۔ اور یہ ہے وہ حسرت جس کو میں اپنے ساتھ لیجاتی ہوں۔ میرے عزیزوں میں کوئی بیوی اس لائق نہیں جو میری درخواست کو منظور کرتی۔ اور مجھ سے وعدہ کرتی کہ جس وقت فاطمہ کے سر پر میں نہ ہوں گی۔ اور یہ روتی دھوتی اپنے شوہر کے ہاں سوار ہوگی۔ اس وقت وہ اس کا غم غلط کرے گی۔

ام المومنین کی طبیعت ان الفاظ پر زیادہ بگڑ گئی۔ اور اس قدر روئیں کہ ہچکی بندھ گئی۔
فاطمہ اس وقت کلام اللہ پڑھ رہی تھی۔ انہوں نے اس کو اپنے پاس بلا کر کلیجہ سے لگایا۔ اور کہا
میں اپنی بچی کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ وہی سب سے بہتر ساتھ والا اور ناصر و مددگار ہے۔
وہی اس کا دل بہلائیگا۔ اور غم غلط کرے گا۔ ام المومنین کے رونے کا مجھپر بھی بہت اثر ہوا۔
اور میں بھی روتی رہی۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا۔ ام المومنین میں آپ سے
وعدہ کرتی ہوں کہ اگر اس وقت میں زندہ رہی تو اس خدمت کو بجا لاؤں گی۔ انہوں نے مجھکو
دعا دی اور میرا شکریہ ادا کیا۔ یا رسول اللہ آج اس وعدہ کے پورا کرنے کا وقت ہے۔ اجازت
دیجئے کہ میں فاطمہ کے ساتھ جاؤں۔

رسالت آب نے بچشم نم اسمأ کی اس درخواست کو منظور فرمایا۔ ان کے واسطے دعا کی۔
اور وہ بھی بی بی فاطمہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہوئیں۔ اس واقعہ کی نسبت صاحب ناسخ التواریخ
لکھتا ہے کہ اسمار بنت عمیس اس وقت موجود نہ تھیں۔ بلکہ یہ واقعہ سلمیٰ خواہر اسمار کے ساتھ
پیش آیا۔ اس موقع پر صاحب ناسخ التواریخ کا یہ قول نقل کرنا بے محل نہ ہوگا کہ جس وقت
رسالت مآب نے بی بی فاطمہ کو وداع کیا ہے اور ان دونوں میاں بی بی کو نصیحت فرمائی
ہے۔ اسمیں حضرت علی سے یہ بھی فرمایا تھا۔

"علی فاطمہ کی زندگی میں تمپر دوسری عورت حرام ہے" ناسخ التواریخ کے اس قول سے
ہم کو اتفاق نہیں۔ یہ ارشاد احکام الہٰی کے خلاف ہے۔ اور کسی دوسری کتاب سے بھی اسکی
تائید نہیں ہوتی۔ صحیحین اور اصحابہ اس پر متفق ہیں کہ آپ نے یہ فرمایا۔

علی فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اگر تم اس کو خوش رکھو گے تو گویا مجھے خوش رکھا۔
اور اس کو رنجیدہ کیا تو گویا مجھے رنج دیا۔

ظاہر ہے کہ نکاح ثانی بی بی فاطمہ کی زندگی میں حضرت علی کا ایک ایسا فعل ہوتا جس سے
بڑھ کر کوئی رنج شوہر کی طرف سے بی بی فاطمہ کو نہ پہنچ سکتا تھا۔ مگر چونکہ خدا کی طرف سے اسکی

اجازت تھی۔ اس لئے رسول اللہ ایسے الفاظ نہ فرما سکتے تھے۔ ہم کو اس وقت فلسفۂ ازدواج پر بحث کرنی مقصود نہیں ہے۔ اس لئے ہم ناسخ التواریخ کے اس قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت علی کا گھر اس گھر سے جہاں سے بی بی فاطمہ رخصت ہوئیں کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ بہت قریب ایک حجرہ تھا جہاں یہ دونوں میاں بیوی رہنے سہنے لگے۔ حضرت علی کا بیان ہے کہ دوسرے روز جب ہم دونوں میاں بیوی اپنے حجرے میں بیٹھے تھے۔ دفعتہً حضور اکرم تشریف لے آئے۔ میں اور فاطمہ دونوں تعظیم کے واسطے اٹھنے لگے۔ تو آپ نے منع فرمایا اور ہم دونوں کو نہ اٹھنے دیا۔ اور ہمارے بیچ میں آکر لیٹ گئے۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد آپ نے تھوڑا سا پانی منگوایا۔ اور اس پر کوئی دعا دم کی اور اس کے دو تین چھینٹے میرے اور فاطمہ کے منہ پر دئے۔ اور فرمایا دنیا اور دنیا کی زندگی دنیا اور اس کی کل کائنات فانی ہے۔ یہاں کسی چیز کو قرار نہیں۔ بیٹی اگر تجھ کو معلوم ہو جائے وہ بات جو مجھکو معلوم ہے تو دنیا تیری نظروں میں ہیچ ہو گی۔ فاطمہ تیرا شوہر علم و حلم کے اعتبار سے تمام اصحاب میں بہتر ہے۔ تیرا باپ اور تیرا شوہر دونوں فقیر نہیں ہیں۔ مگر خدا کو رضامند رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس کے بعد آپ اٹھے اور مجھکو اپنے ساتھ باہر تک لے گئے۔ اور فرمایا علی تیری بی بی فاطمہ بہترین عورتوں میں سے ہے۔ یہ میرے کلیجے کا ٹکڑا ہے۔ اور اس کی خوشی عین میری خوشی ہے۔ میری آنکھیں نیچی تھیں اور میں شرم کے مارے کچھ جواب نہ دے سکتا تھا۔ جب تین دفعہ رسالت مآبؐ نے فرمایا تو میں نے صرف اتنا عرض کیا۔

صدقت یا رسول اللہ

اے خدا کے رسولؐ تو سچا ہے

بی بی فاطمہ کا سلیقہ

اس زمانہ کے گھر آج کل کے گھروں کی طرح دری اور قالینوں سے آراستہ نہ ہو سکتے تھے۔ بالخصوص ان مسلمانوں کے جن کو دو وقت کھانا بھی مشکل سے میسر ہوتا تھا

لیکن سلیقہ شعار بیویوں کا سگھڑاپا کسی حال میں چھپا نہیں رہتا۔ صاحب علل الشرائع ابوہریرہ کی روائت سے ایک واقعہ کا بیان اس طرح کرتا ہے کہ حضرت علی سے جب دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا فاطمہ جس طرح بہترین مخلوق خدا ہے اسی طرح بہترین گھروالی۔ اور یہی نہیں وہ جس طرح خدا کی عبادت فرض خیال کرتی۔ اسی طرح میری رضامندی اور گھر کی صفائی ستھرائی۔ اس کا گھر دیبا و حریرے سے محروم ہے۔ لیکن جھاڑو کی ضرورت اسمیں کبھی محسوس نہیں ہوتی۔ اس کی چکی گرد و غبار کا انبار اور رہا اچھونا خاک کا تو وہ نہیں ہوتا۔ نماز صبح سے پہلے اپنے بچھونے تہ کرکے رکھدیتی ہے۔ اور اپنے مٹی کے برتنوں کو جھاڑ پونچھ کر صاف کرلیتی ہے مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوتا کہ میں کھانے کے واسطے اس توقع پر گھر جاؤں کہ کھانا طیار رہوگا۔ اور محروم پھر دل۔ اس کی ردائیں کتنے ہی پیوند ہوں مگر وہ لاپروائی سے چکٹ نہیں ہوتی۔ اور اس کا تکیہ خواہ کتنا ہی بوسیدہ ہو۔ مگر جو کی بونی اس پر کبھی نہیں ہوتی۔

ابوہریرہ کی یہ روایت ثابت کررہی ہے کہ بہتر سے بہتر سلیقہ شعار لڑکی زیادہ سے زیادہ اتنی ہی گھر کی خدمت کرسکتی ہے اور یہی انتہائی سلیقہ ہے جو ایک گھروالی کو کرنا چاہیئے۔ جس کی بابت اس کے شوہر کی رائے اتنی اچھی ہو۔

جب غزوۂ بدر کی کچھ قیدی عورتیں حضور اکرم کی خدمت میں آئی ہیں۔ اس موقعہ پر بی بی فاطمہ نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ باہر کے تمام کام علی سے متعلق ہیں۔ اور گھر کے کاروبار میری ذات سے۔ میرے دونوں ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے گٹے پڑگئے ہیں۔ اگر ایک لونڈی مجھے عنایت ہوجائے۔ تو وہ میری ایسی بہن ہوگی جو گھر کے کام کاج میں مجھکو مدد دے۔ آپ نے فرمایا۔ فاطمہ میں تجھکو ایسی چیز بتاتا ہوں جو اس بہن سے زیادہ اچھی ہوگی۔ اور وہ یہ کہ سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار۔ اللہ اکبر ۳۳ بار اس کے بعد لاالہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر

ایک دفعہ۔ یعنی یہ سب مل کر سو دفعہ ہو جائیں ننانوے دفعہ وہ اور ایک دفعہ یہ۔ دن میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کر۔ یہ تیری ایک ایسی امانت خدا کے پاس محفوظ رہے گی جو دنیا میں بہن سے زیادہ معین اور آخرت میں تیری مغفرت کا باعث ہوگی۔

ہم نے بی بی فاطمہ کے متعلق پچھلے موقعوں پر دو ایک واقعات سے انکار کیا ہے۔ اور جو شان سیدۃ النساء کی دکھائی ہم کو مقصود ہے۔ اس پر اس سے یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ سیدہ خانہ داری کی تکلیف سے کیوں اکتا گئیں، جو ایک لونڈی کی طالب ہوئیں۔ مگر ہم بی بی فاطمہ کو فرشتہ تسلیم نہیں کرتے۔ ہم ان کو خاصہ لوازم بشری کے ساتھ بشر مان رہے ہیں۔ اور اگر یہ دیکھکر کہ رسالت مآب لونڈیاں تقسیم کر رہے ہیں وہ کام کی کثرت یا تنہائی کی تکلیف سے گھبرا کر ایک لونڈی کی طالب ہوئیں تو اس سے اُنکی پاک زندگی پر کسی قسم کا بٹہ نہیں لگتا۔ کیونکہ باوجود اس کے حضرت علی نے صریح الفاظ میں فرمادیا کہ مجھکو فاطمہ نے کبھی رنج نہیں پہنچایا۔ یہانتک کہ انتقال ہو گیا۔ ہم کو ایسے واقعات کا بھی پتہ لگ رہا ہے کہ کبھی کبھی ان دونوں میاں بیوی میں بدمزگی ہوئی اور یہ تقاضائے بشریت تھا۔ ہوا۔ ہوتا ہے۔ اور ہونا چاہئے تھا۔ چنانچہ صاحب علل الشرائع لکھ رہا ہے کہ ایک روز سرور عالم نے نماز صبح مسجد نبوی میں پڑھی اور نماز کے بعد بی بی فاطمہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے چہرہ پر کچھ آثار غم نمایاں تھے۔ لیکن جب آپ واپس تشریف لائے تو چہرہ بشاش تھا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اُداس تشریف لے گئے تھے۔ اور خوش تشریف لائے اسکی کیا وجہ ہے۔ آپنے فرمایا۔ ہاں میں نے ان دونوں میاں بیوی میں ملاپ کرادیا کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ اسی طرح علل الشرائع کے حوالے سے ایک واقعہ کی صداقت کا ذمہ دار بنتا ہے کہ ایک موقع پر میاں بیوی کے اختلاف رائے کا علم حضور اکرم کو ہوا آپ تشریف لے گئے۔ دونوں کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے۔ اور معاملہ کا فیصلہ کر دیا۔

خانہ داری | طمع یعنی خانہ داری کا سامان۔ اناج وغیرہ مہینہ دو مہینہ یا دس پندرہ روز

کا تو ذکر کنار دو چار روز کا بھی مشکل سے میسر ہوا۔ ہاں کبھی کبھی دو وقت کا تو البتہ آجاتا تھا۔ اور آتا کہاں سے وہی کنواں کھودنا اور پانی پینا۔ حضرت علی کی مالی حالت بچپن ہی سے اچھی نہ تھی۔ عزیزوں نے ان کی پرورش کی۔ اس کے بعد رسالت مآب کی آغوش شفقت میں آگئے۔ اب جو کچھ تھا وہ یہ تھا کہ جو دن بھر کمایا شام کو لے آئے۔ بعض دفعہ یہاں تک ہوا ہے کہ آبپاشی کے واسطے کنویں سے پانی بھرا ہے۔ اور فی ڈول ایک کھجور کے حساب سے اجرت لی ہے۔ اور وہی کھجوریں اپنا اور بی بی کا کھانا ہو گیا ہے۔ لیکن اناج ملجانے پر جو اچھی بیبیوں کا فرض ہے۔ اس میں جناب سیدہ کی طرف سے کبھی کوتاہی نہیں ہوئی۔ حضرت علی کا بیان ہے کہ ایک موقع پر مجھکو صبح سے شام تک کچھ میسر نہ آسکا۔ میں اور فاطمہ دونوں آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ خیال آیا کہ سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوں۔ مگر کچھ شرم سی آئی۔ اور نہ گیا۔ میں سڑک پر متحیر کھڑا تھا۔ آفتاب ڈوبنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اور مجھکو یقین کامل ہو گیا تھا کہ یہ رات بھی مجھپر اور میرے ساتھ رسول زادی پر فاقہ سے بسر ہوگی کہ دفعتہً کچھ اونٹ سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دئے۔ یہ ایک تاجر کا اسباب تھا میں بھی اونٹوں کے ہمراہ تھوڑی دور گیا۔ اور جب سوداگر کو اونٹوں پر سے اسباب اُتروانے کی ضرورت ہوئی تو اس نے مجھسے بھی مدد دینے کو کہا۔ چنانچہ میں نے اس کا اسباب اُتروایا۔ اس عرصہ میں رات تقریبًا ڈھائی تین گھنٹہ جا چکی تھی۔ جب میں فارغ ہوا تو سوداگر نے مجھکو ایک درم دیا۔ میں نہایت خوش ہوا۔ مگر وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں دکانیں نہ بند ہو گئی ہوں۔ اس وقت صرف ایک جگہ سے مجھے تھوڑے سے جو میسر آسکے۔ جو میں نے خریدے۔ اور لپکا ہوا گھر آیا۔ بی بی فاطمہ نے خندہ پیشانی سے وہ جو میری جھولی میں سے لئے۔ اسی وقت ان کو پیسا۔ اور روٹی پکا میرے آگے رکھی۔ جب میں سیر ہو چکا تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور کہا بیشک رسول اللہ کا ارشاد درست ہے۔ فاطمہ بہترین عورتوں میں سے ہے۔ اسی قسم کے ایک اور واقعہ کی روایت جابرؓ سے ہے

کہ جب ایک دفعہ بی بی فاطمہ اور حضرت علی دونوں کو دو وقت سے کوئی غذا میسر نہ آئی تھی۔ تو میں تھوڑا سا کھانا سیدہ کی خدمت میں لیکر گیا۔ اسوقت حضرت علی گھر پر موجود نہ تھے۔ سیدہ نے وہ کھانا لے لیا۔ اتنے میں حضرت علی بھی تشریف لے آئے۔ اور گھر میں سے ہوکر میرے پاس آگئے۔ باتیں کرنے لگے۔ میں نے کہا آپ جائیے اور کھانا کھائیے تو حضرت علی نے کہا جب تک فاطمہ کھانا گرم کر رہی ہے۔ اسوقت تک میں تم سے باتیں کر لوں۔

حسن بصری کے حوالے سے حضرت علی کا بیان ہے کہ باوجود کثرت عبادت کے مجھکو گھر کے کام دھندوں میں فاطمہ سے کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔ ایک دفعہ جب میں نے دیکھا کہ چکی پیستے پیستے بی بی فاطمہ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ میرا دل بھر آیا۔ اور میں نے کہا فاطمہ مشکیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے میرے کندھے بھی شل ہو گئے۔ چلو آج ہم حضور اکرم کی خدمت میں چلیں۔ اور تم ایک لونڈی کی درخواست کرو۔ چنانچہ ہم گئے اور سیدۃ النساء نے درخواست کی۔ رسالت مآب نے سنا اور فرمایا فاطمہ اس وقت مسجد میں چار سو آدمی ایسے موجود ہیں۔ جن کے پاس کھانے کو ٹکڑا ہے نہ پہننے کو چیتھڑا۔ گھر کا کام خود انجام دے اور بیوی ہونے کی فضیلت کو قائم رکھ۔ ایسا نہ ہو کل قیامت کے روز علی تجھ سے اپنا حق طلب کرے۔

ایثار سیدہ کے ایثار پر بحث کرتے ہوئے ہمارا کلیجہ شق ہوتا ہے۔ یہ پاک روحیں جن کے جسد خاکی آج خاک عرب میں آرام فرما رہے ہیں۔ انسانی دنیا کے واسطے فرشتۂ رحمت تھیں جنکی زندگیاں دوسروں کے واسطے بھی نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئیں۔ ان کا ہر قول ہر فعل وہ سدا بہار پھول ہے جس کو خزاں کبھی مرجھا نہیں سکتی۔ دنیا بدل جائے۔ آسمان لاکھوں چکر کھائے۔ مگر ان کے کارنامے ہماری آنکھوں سے چھپنے والے نہیں۔ بی بی خدیجہ کا یہ درخشندہ جوہر جو سرزمین عرب سے اُٹھکر بساط دنیا پر قمر چار دہم کی طرح جگمگایا اور رسول عرب کی یہ پیاری بچی جو آسمان حیات پہ ایک ایسے لال کی طرح چمکی جس کی

روشنی آجتک تمام دنیا کو منور کر رہی ہے جس کا ماکے تمول نے مزاج نہ بگاڑا اور باپ کے
افلاس نے تیوری پر بل نہ آنے دیا۔ چاہیئے تھا کہ ابتدائی پرورش اور دولت کے ناز
ونعم کے بعد عسرت کو تکلیف سمجھتی، مطلق نہیں۔ وہ وقت خوشی سے اور یہ دن شکر میں
بسر کر دئے اور ثابت کر دیا کہ ؎

نہ غم آور د نقصانے نہ شادی داد سامانے　　بہ پیش ہمت ما ہر کہ آمد بود مہمانے

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جماعت بنی سلیم میں سے ایک شخص ایک دفعہ سرور کائنات صلعم
کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آواز دی یا محمد یا محمد۔ آپ نے جواب دیا۔ اس نے کہا کہ
کیا وہ جادوگر تو ہی ہے جس کی بابت یہ مشہور ہے کہ سایہ نہیں پڑتا۔ مجھے اپنے بتوں کی قسم
اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری قوم خوش نہ ہو گی تو اس تلوار سے گردن اُڑا دیتا۔ حضرت عمرؓ
یہ سنکر آگے بڑھے اور چاہتے تھے کہ اس کی گستاخی کا جواب دیں۔ آنحضرت نے منع فرمایا
اور اس سے کہا "میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا پیغام پہنچانے والا۔ اے بھائی عذاب
آخرت سے ڈر اور دوزخ کی آگ کا خوف کر۔ پرستش کر۔ اس ایک خدا کی جس کا کوئی
شریک نہیں" اس گفتگو کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ اعرابی ایمان لے آیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔
رسالتمآبؐ نے اس وقت اصحاب سے کہا کہ اس کو کچھ آیتیں قرآن کی سکھا دو۔ جب وہ
سیکھ چکا تو آپ نے فرمایا تیرے پاس کس قدر مال ہے۔ اس نے کہا قسم ہے اس پاک ذات
کی جس نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ ہم چار ہزار آدمی قبیلہ بنی سلیم میں ہیں۔ لیکن مجھ سے زیادہ
فقیر کوئی نہیں آپ نے اصحاب کی طرف دیکھا۔ اور فرمایا۔ تم میں سے کون ہے جو اسکو
ایک اونٹ خرید دے۔ میں ضامن ہوتا ہوں کہ خدا اس سے بہتر بدلہ دیگا۔ سعد بن عبادہ
اُٹھے اور کہا اے خدا کے سچے رسول میرے پاس ایک اونٹنی ہے۔ جو میں اس کو دیتا ہوں
اس کے بعد سرور کائنات نے فرمایا، اب تم میں سے کون ہے کہ اس کا سر ڈھانک دے
اور خدا کو راضی کرے۔ حضرت علی نے اُٹھکر کہا، میرے ماں باپ فدا۔ یہ تعمیل میں کرونگا

اپنا عمامہ اتار کر اعرابی کے سر پر رکھدیا۔ اب آپ نے فرمایا کون ہے جو اس کو خوراک وغیرہ کا سامان دے سلمان اُٹھے اور اعرابی کو ساتھ لیکر نکلے۔ سب کے گھروں پر گئے۔ کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حالت یاس میں نگاہ حضرت سیدۃ النسا کے حجرہ پر پڑی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ سیدہ نے دریافت کیا کون ہے۔ جواب دیا کہ میں ہوں سلمان فارسی۔ پوچھا کیوں آئے ہو سلمان نے پورا واقعہ بیان کیا کہ اعرابی کے واسطے کہانے پینے کا سامان جمع کرنے نکلا ہوں۔ سب گھروں پر ہو آیا۔ کوئی چیز موجود نہیں۔ طاہرہ۔ زاکیہ۔ راضیہ۔ سیدۃ النساء۔ فاطمۃ الزہرا یہ سنکر روئیں۔ اور فرمایا سلمان قسم ہے اس خدا کی جس نے میرے باپ کو پیغمبر کیا۔ آج تیسرا روز ہے ہم سب فاقہ سے ہیں۔ دونوں بچے حسن و حسین پریشان پھر رہے تھے۔ ابھی ابھی بھوکے سوئے ہیں۔ لیکن سائل دروازہ پر آگیا رد نہیں کرسکتی اے سلمان یہ ایک چادر موجود ہے۔ لے اور شمعون یہودی کے پاس جا اور کہہ کہ فاطمہ محمدؐ کی بیٹی کی یہ چادر رکھ لے اور تھوڑی سی جنس قرض دیدے۔ سلمان اعرابی کو لے کر شمعون کے پاس آئے۔ اور مفصل کیفیت بیان کی۔ یہودی کچھ دیر تک چادر دیکھتا رہا دفعتہً اس پر ایک خاص حالت طاری ہوئی اور کہنے لگا۔

اے سلمان یہ وہ لوگ ہیں جن کی خبر ہمارے پیغمبر موسیٰؑ نے توریت میں دی۔ میں فاطمہ کے باپ پر ایمان لایا۔ اور سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔ اس کے بعد اناج سلمان کو دیا۔ اور وہ لیکر حضرت سیدۃ النسار کے پاس آئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے پیسا۔ روٹی پکائی اور سلمان کو دی۔ سلمان نے کہا تھوڑی سی روٹی بچوں کے لئے لے لیجئے۔ فرمایا سلمان خدا کی راہ پر دیچکی اب بچوں کیلئے لینا مناسب نہیں۔ سلمان وہ روٹی لے کر سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور تمام کیفیت بیان کی رسالت مآب نے وہ روٹی اعرابی کو دی۔ اور سیدۃ النسار کے پاس تشریف لائے۔ چہرہ اداس دیکھا۔ دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ کہانا کھائے ہوئے تیسرا روز ہے۔ حضرت نے سیدۃ النسار کو اپنے پاس بٹھایا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی یا الٰہی

فاطمہ تیری لونڈی ہے۔ اس سے راضی رہیو۔"

جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے ہیں کہ رسالتمآب نے نماز عصر ہمارے ساتھ پڑھی جب ہم نماز پڑھ چکے تو مسجد میں بیٹھ گئے۔ دفعتہ ایک شخص جو نہایت مفلس اور فقیر معلوم ہوتا تھا۔ اندر داخل ہوا۔ بڈھا تھا اور مشکل سے چل سکتا تھا۔ بڑی دقت سے پاس آیا تو رسول اکرم نے اس سے دریافت کیا کہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ بڈھے نے اپنی لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں رُک رُک کر کہا اے پیغمبر بڈھا ہوں۔ ہاتھ پاؤں جواب دے چکے۔ محنت مزدوری کے قابل نہیں بیکس ہوں۔ کوئی عزیز یا دوست اتنا نہیں جو اس اڑے وقت میں سلوک کر سکے۔ بھوکا ہوں کھانا کھلا۔ اور کئی وقت سے ہوں پیٹ بھر کے دے۔ ننگا ہوں بدن ڈھانک مفلس ہوں کچھ خرچ دے۔ آنحضرتؐ نے کچھ دیر غور فرما کر جواب دیا اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ مگر میں تجھکو ایک ایسے شخص کے پاس بھیجتا ہوں جو خدا کو پیارا سمجھتا ہے۔ وہ تیری مشکل میں کام آنے کی کوشش کرے گا۔ یہ فرما کر بلال کو اپنے پاس بلایا۔ اور حکم دیا کہ اس کو فاطمہ کے پاس لیجاؤ۔ چنانچہ بلال معہ عرب کے سیدہ کے پاس آئے۔ اور آواز دی۔ سیدہ نے دریافت کیا کون ہے۔ سائل نے کہا میں ایک اعرابی ہوں مفلسی کی وجہ سے گھر سے نکلا۔ اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ اے محمدؐ کی لڑکی بھوکا ہوں پیٹ بھر۔ ننگا ہوں بدن ڈھانک مفلس ہوں خرچ دے۔ رسول زادی مجھپر رحم کر۔ خدا تجھپر رحم کرے گا۔

سیدۃ النساء کی مالی حالت جس کا اوپر بیان ہوا ایسی نہ تھی کہ ان کے پاس ہر وقت کھانا موجود رہتا۔ اتفاق سے اس روز بھی کچھ نہ تھا۔ مگر جب سائل اپنی درخواست ختم کر چکا تو اُٹھیں۔ مینڈھے کی ایک کھال دکھائی دی جس پر بچے سوتے تھے اُٹھائی اور لا کر سائل کو دی۔ اور کہا خدا تجھپر رحم کرے۔ اور اس سے بہتر دے۔ سائل نے کھال لے لی۔ مگر بھوک سے پریشان تھا۔ کہنے لگا پیغمبر زادی میں بھوک کی شکایت پہلے کر آیا ہوں۔ اس کے

بعد لباس کی، میری پہلی شکایت کو رفع کر۔ جبتک پیٹ نہ بھرے میں اس کھال کا کیا کردں گا۔ آج اتفاق سے حمزہ بن عبدالمطلب کی بیٹی کی ایک کنٹھی بیچی ہوئی گلے میں پڑی تھی وہ اُتار دی۔ اور اس کو دے کر کہا۔ اس کو فروخت کر اور اپنی ضرورتیں رفع کرلے۔ سائل خوش ہوتا ہوا باہر نکلا کنٹھی بیچی۔ کھانا کھایا اور مسجد میں آکر دعا دی کہ الہٰی فاطمہ محمدؐ کی بیٹی پر اسی طرح رحم کیجیو جس طرح اس نے تیرے ایک بندے پر کیا۔ رسول اللہ نے یہ دعا سنی۔ اور جب سائل دعا ختم کر چکا تو آپ نے فرمایا آمین۔

صاحب علل الشرائع امام حسن کے الفاظ اس طرح ایک موقع پر نقل کررہا ہے " اور یہ انتہائے ایثار ہے۔ میں نے اکثر نماز عشا کے بعد اپنی محترم والدہ کو نماز صبح تک عبادت میں دیکھا۔ وہ گریہ وزاری میں مصروف رہتی تھیں۔ اور خوف خدا سے اسقدر روتی تھیں کہ ہچکی بندھ جاتی تھی۔ روتی تھیں اور دعا کرتی تھیں۔ مگر میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے واسطے کوئی دعا کی ہو۔ ان کی تمام دعائیں مخلوق خدا کے واسطے ہوتی تھیں۔ وہ اپنے مال اور کھانے پینے ہی سے بندگان خدا کی خدمت نہ کرتی تھیں۔ بلکہ دعا و التجا میں بھی ان کا حصہ ہمیشہ اپنے سے زیادہ رکھا۔ صرف ہمارے باپ حضرت علی اور ہم بچوں کے واسطے دعا ضرور ہوتی تھی۔ مگر اپنی ذات کے واسطے سوائے رضامندی باری تعالیٰ کے میں نے ان کی خواہش کبھی معلوم نہ کی۔

صاحب ناسخ التواریخ ایک واقعہ نقل کرتا ہے کہ ایک موقع پر جب کامل ایک دن اور ایک رات اسی طرح بسر ہو گیا کہ حضرت علی کو کہیں سے کچھ میسر نہ ہو سکا، تو آپ دوسرے روز سہ پہر کے وقت کچھ سامان لائے۔ سیدۃ النساء نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا جب کھانا تیار ہو چکا تو سیدۃ النساء نے حضرت علی کے واسطے کھانا نکال کر علیحدہ رکھا۔ اور اپنا حصہ الگ کیا۔ اتنے میں ایک فقیر نے آکر صدا دی اور کہا سیدہ میں بھوکا ہوں اور اب تیسرے وقت بھیک مانگنے نکلا ہوں۔ آنکھیں نہیں ہیں کہ روٹی کما سکوں۔ لنگڑا ہوں اچھی طرح

چل پھر نہیں سکتا۔ بی بی فاطمہ نے سائل کی یہ صدا سنی اور وہ کھانا جو اپنے واسطے رکھا تھا اٹھایا اور یہ آیت پڑھتی ہوئی دروازے تک آئیں۔ ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً و اسیراً اور سب کھانا اس فقیر کو دے دیا۔

شوہر کی غلطت | صاحب علل الشرائع حضرت علی کے حوالہ سے ان کے الفاظ یوں نقل کرتا ہے باوجود انتہائے عبادت و ریاضت کے سب سے زیادہ تعجب انگیز بات جو میں نے فاطمہ میں دیکھی وہ یہ تھی کہ اس نے کبھی میرے حق میں ذرہ بھر فرق نہ آنے دیا۔ وہ رات بھر عبادت میں مصروف رہتیں۔ لیکن گھر میں اگر اناج موجود ہوتا، تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وقت سے پہلے کھانا تیار نہ ہو گیا ہو۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سیدہ بیمار تھیں۔ ابھی تیمم کی آیت نہ اتری تھی کہ اسی حالت میں انھوں نے وضو کیا۔ اور نماز کو کھڑی ہو گئیں۔ مجھکو اس رات نیند نہ آئی۔ یہاں تک کہ موذن نے صبح کی اذان دیدی۔ اور میں نماز کو چلا گیا۔ واپس آکر دیکھا تو سیدہ نماز سے فارغ ہو کر چکی پیس رہی تھیں، میں نے کہا اے بنت رسول تھوڑی دیر آرام لے لو۔ ایسا نہ ہو کہ مرض اور زیادہ ترقی کر جائے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ دونوں کام ایسے نہیں کہ مرض کو ترقی دیں۔ خدا کی عبادت اور تمہاری خدمت مرض کا بہترین علاج ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی وجہ موت ہو تو اس سے بہتر اور کیا موت ہو سکتی ہے

ایک موقعہ پر جب رسول اکرم مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے، امام حسن آئے اور آپ سے نہایت خاموشی سے کچھ عرض کیا۔ رسالت مآب یہ سنکر ان کے ساتھ ہو لئے اور سیدہ کے گھر میں تشریف لاکر دیکھا، تو دونوں میاں بیوی خاموش تھے۔ رسول اللہ نے حضرت علی سے پوچھا علی خاموش کیوں ہو۔ حضرت علی نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان فاطمہ مجھ سے اس لئے ناخوش ہیں کہ میں یامین یہودی کے پاس اس لئے جانا پسند نہیں کرتا کہ اس کا طرز سخن خوش اسلوب نہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں تکلیف اور فاقہ راحت اور سیری سے بہتر ہے۔ سیدہ چند لمحہ خاموش رہیں اور کہا یا رسول اللہ میں علی سے ناخوش

کبھی نہیں ہوئی اور نہ میں ان سے ناخوش ہو سکتی ہوں۔ ہاں میرا یہ خیال ضرور ہے کہ علی کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ اور باہر کی باتوں پر دھیان نہ دھرنا چاہیے۔

سیدۃ النساء کے یہ الفاظ کہ نہ میں کبھی ناخوش ہوئی اور نہ ہو سکتی ہوں اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ سیدۃ النساء کے دل میں شوہر کی عظمت حد سے زیادہ تھی اور جس طرح خدا کی رضامندی ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ اسی طرح شوہر کی رضامندی زندگی کا اول فرض۔

عبادت | سیدہ کی عبادت ان ہی واقعات سے جو اوپر لکھے گئے ہیں۔ اچھی طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ کس درجہ بڑھی ہوئی تھی، مگر ملا حسن شیرازی لکھتا ہے کہ خانہ داری، شوہر کی خدمت بچوں کی پرورش وغیرہ سے جسقدر وقت بچتا تھا اس کا بڑا حصہ خدا کی یاد میں بسر کرتی تھیں اور یہ ذکر اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ وہ دنیوی کاموں میں بھی زبان پر جاری رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت علی کے حوالہ سے علل الشرائع کا مصنف لکھتا ہے کہ ایک موقعہ پر جب وہ گھر میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سیدہ چکی پیس رہی ہیں۔ گود میں امام حسن لیٹے دودھ پی رہے ہیں۔ اور زبان سے کلام اللہ پڑھ رہی ہیں۔

جابر انصاری کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اکرم بی بی فاطمہ کے ہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ان کے جسم پر اونٹ کی کھال کا ایک لباس ہے جس میں تیرہ پیوند ہیں۔ وہ آٹا گوندھ رہی تھیں اور کلام اللہ زبان پر جاری تھا۔ رسالتمآبؐ کی آنکھ سے اسوقت آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا۔

"فاطمہ دنیا کی تکلیفوں کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی خوشی کا انتظار کر"

ابو ہریرہ ایک موقعہ کا ذکر حضرت علی کے حوالے سے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ عید کا روز تھا۔ اور امام حسن دوسرے بچوں کو اچھے کپڑے پہنے دیکھکر رنجیدہ ہوئے اور ماں سے آکر کہا کہ جب تک ہمارے کپڑے اُجلے اور اچھے نہ ہوں گے۔ ہم عیدگاہ نہ جائیں گے۔ سیدہ نے

بچہ کو گود میں لیا۔ پیار کیا۔ اور کہا یہ کپڑے میلے ہونے والے ہیں۔ اور پھٹ جانے والے ہیں۔ تمہارے کپڑے تمہارے اللہ کے پاس ایسے موجود ہیں کہ جن سے بہتر کوئی کپڑا نہیں ہوسکتا۔ وہ تمہاری امانت موجود ہے۔ خدا کی مرضی پر راضی رہو۔ وہاں جاکر سب کچھ پہن اوڑھ لینا۔ سیدہ کی تقریر کچھ ایسی دلنشین ہوئی کہ امام حسن کا تمام رنج جاتا رہا۔

امام حسن بصری کی ایک روایت ایسی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عشا کے بعد اکثر صبح تک خدا کی یاد میں مصروف رہتی تھیں۔ اور اس کے بعد اب ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ سیدہ کی عبادت پر زیادہ بحث کریں۔

خلق | شمعون یہودی جو بی بی سیدہ کا ہمسایہ تھا۔ اور جس نے پہلے حضرت علی کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ جب مسلمان ہوچکا ہے اور اس کا تمام کاروبار بگڑ گیا تو یہودیوں نے اس کے اسلام کی وجہ سے قطعاً ملنا جلنا ترک کردیا مفلس تھا اس لئے زیادہ تکلیفیں اُٹھانی پڑیں۔ باوجودیکہ حضرت علی کو اس سے بہت کچھ اذیتیں پہنچی تھیں۔ مگر جب اسکی بیوی مری اور کوئی اتنا نصیب نہ ہوا کہ میت پر بیٹھکر دو آنسو گرالیتا تو رات کی تاریکی اور تنہائی میں بی بی فاطمہ یہ خبر سنتے ہی اس کے تمام رنج بھول گئیں۔ اور اپنی ردا سر پر ڈال اس کے ہاں چلی گئیں۔ اور اپنے ہاتھ سے نہلا دھلا کر اس کی میت تیار کی۔

خصائل | حضرت علی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم نے بی بی فاطمہ سے پوچھا کہ عورت کی بہترین صفت کیا ہے۔ اور یہ وہ سوال تھا جو رسول اللہ نے اکثر عورتوں سے کیا۔ بی بی فاطمہ نے جواب دیا کہ "وہ کسی مرد کے دیکھنے کی کوشش نہ کرے۔ اور یہ کوشش کرے کہ کوئی نامحرم اُسے نہ دیکھنے پائے۔"

سرور کائنات نے بی بی فاطمہ کو اسی وقت گلے سے لگا لیا۔

فاطمہ بنت اسد کی چچا زاد بہن حفصہ جو عمر میں بی بی فاطمہ سے بڑی تھیں۔ اکثر آیا کرتی تھیں۔ ایک روز جب وہ بیمار تھیں نہ آسکیں اور اپنی علالت کا حال حضرت علی کی

زبانی کہلا بھیجا، خود حضرت علی کہہ رہے ہیں کہ یہ خبر سنتے ہی فاطمہ سخت بیچین ہو گئیں اور انکی عیادت کو گئیں۔ مرض ترقی کر گیا تھا۔ یہاں تک کہ اسی میں موت ہوئی۔ مگر میں نے دیکھا کہ فاطمہ جب گھر کی ضرورتوں سے مجبور ہو کر ان کو چھوڑ کر آتیں تو ان کا دل مطلق نہ لگتا اور جس قدر جلد ممکن ہوتا گھر کی ضرورتوں سے فارغ ہو کر وہاں پہنچ جاتیں ان کا مکان ہم سے دور تھا۔ مگر فاطمہ نہایت خوشی سے اس مسافت کو دن میں دو مرتبہ طے کر لیتی تھیں۔

بی بی فاطمہ کے انتقال کے بعد جب حضرت علی سے سوال کیا گیا کہ بنت الرسول کیسی بیوی تھیں تو آپ نے کہا۔

وہ پھول جس کی خوشبو مرجھانے کے بعد بھی میرے دماغ کو معطر کر رہی ہے۔

بی بی فاطمہ کے اس خلق و محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ دور دور کے لوگ اُن سے ملنے آتے تمام مدینہ پر ان کا خاص اثر تھا۔ بڑے بڑے پیچیدہ معاملوں میں لوگ اُن سے مشورہ لیتے۔ اور مدینہ کی اکثر عورتیں ان کی خدمت میں حاضر رہا کرتیں۔

ہمدردی کا مادہ کوٹ کوٹ کر قدرت نے اُنکی سرشت میں بھرا تھا۔ اور یہی تھی وہ وجہ جس نے بیوی فاطمہ کو مدینہ بھر میں ہر دلعزیز بنا دیا یہ تو ایک عام عادت تھی۔ جو حضرت امام حسنؑ بیان کرتے ہیں کہ ہماری ماں نے کبھی ہم سے یا ہمارے باپ سے پہلے کھانا نہیں کھایا۔ مگر صاحب علل الشرائع لکھتا ہے کہ وہ کھانے سے پہلے ہمسایہ کی حالت دیکھ لیتی تھیں۔ اور اگر کوئی فاقہ زدہ معلوم ہو جاتا تھا تو پہلے اس کو کھلا دیتی تھیں۔ اور پھر خود کھاتی تھیں ان باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ سارا مدینہ بی بی فاطمہ کا کلمہ پڑھنے لگا۔ کچھ مسلمانوں ہی پر موقوف نہ تھا۔ غیر مسلم عورتیں بھی جو اسلام سے علیحدہ تھیں۔ ان کی دلسوزی اور ایثار کی معترف تھیں۔ ایک دفعہ ایک یہودی کی لڑکی تھوڑا سا حلوہ آپ کے واسطے لائی یہ مذہب سے گو غیر تھی۔ مگر بی بی فاطمہ کے خلق کی گرویدہ تھی۔ اور جب موقع ملتا آنکلتی۔ اور باتیں سنا کرتی تھی۔ اسلام کا اثر اس کے دل پر ہو چکا تھا اور وہ خفیہ طور سے اسلام

قبول بھی کر چکی تھی۔ مگر ماں باپ کے ڈر سے اعلان نہ کر سکتی تھی۔ بی بی فاطمہ نے یہ سمجھکر کہ
اگر واپس کرتی ہوں تو اس کی دلشکنی ہوگی۔ اور صرف میں لاتی ہوں تو یہودی کا مال ہے
نہ معلوم جائز پیسہ سے پکایا گیا ہے یا ناجائز سے اپنے صرف میں لانا پسند نہ کیا۔ ملاحسن
شیرازی کہتے ہیں کہ فضہ نے جب یہ حقیقت معلوم کر لی تو صلاح دی کہ کسی سائل کو دیدیجئے
بی بی فاطمہ نے فرمایا فضہ کیا کہا۔ جو چیز ہم اپنے واسطے پسند نہ کریں وہ خدا کے واسطے کیونکر
پسند کر سکتے ہیں۔ خبردار آئندہ ایسا خیال نہ کرنا۔ جاؤ اور کسی یہودی کو تلاش کرکے یہ
طباق اس کو دیدو۔ یہی لڑکی ایک دفعہ کچھ دینار درم لے کر آئی اور چاہا کہ بی بی فاطمہ
قبول کرلیں۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دئے کہ یہ تمہاری ملکیت نہیں تمہارے باپ کی ہے
اگر تم با اجازت لائیں تو وہ اسلام کا دشمن ہے ہرگز اس کو روا نہ رکھے گا کہ اسکی کمائی اسلام
پر صرف ہو۔ اور اگر بلا اجازت لائیں تو چوری ہو گئی لیجاؤ۔ اور واپس کردو۔ دیکھو آئندہ
ایسا نہ کرنا خدا کسی چیز کا محتاج نہیں۔ وہ صرف نیت دیکھنے والا ہے۔ اگر تمہارے پاس
کچھ نہیں ہے تو اس کی پرواہ نہ کرو۔ مگر اس کے احکام پر کاربند اور اس کی مشیت پر
راضی رہو۔ جس وقت کلام اللہ میں عذاب دوزخ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے
وان جھنم لموعدھم اجمعین تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شدت سے
روئے اور اتنا روئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھکر محبت کی وجہ سے
اکثر اصحاب رونے لگے۔ چونکہ کسی کو گریۂ آنحضرت کا سبب معلوم نہ تھا۔ اس لئے سب خاموش
تھے۔ رسالتمآب کی یہ عادت تھی کہ سیدۃ النساء کی صورت دیکھکر ہمیشہ خوش ہوتے تھے۔
لوگوں نے تجویز کی کہ کسی طرح اس پاک بی بی کو بلا کر لائیں کہ آنحضرت کا رنج وغم اور یہ
رونا کم ہو۔ اور خیالات بدل جائیں۔ سب ملکر حضرت سیدۃ النساء کے دروازے پر آئے
سلمان اندر گئے تو دیکھا۔ وہ مقدس بی بی چکی پیس رہی ہے۔ اور ایک آیت پڑھ رہی ہے
مفصل کیفیت بیان کی۔ اور درخواست کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

چلیں۔ سیدۃ النسار یہ سنکر اٹھیں اور ایک کمبل اوڑھا جس میں بارہ سے زیادہ پیوند تھے۔ سلمان کا یہ حال دیکھکر دل بھر آیا۔ اور کہا قیصر و کسریٰ ریشم و حریر کا لباس پہنیں اور پیغمبر آخرالزماں کی بیٹی کے لباس میں اتنے پیوند ہوں۔ یہ کہتے تھے اور روتے تھے۔ جس وقت رسالتآب صلعم کی خدمت میں سب حاضر ہوئے تو سیدۃ النسار نے واقعہ بیان کیا کہ میں چکی پیستی جاتی اور یہ آیت پڑھتی جاتی تھی۔ قسم ہے خدا کی پورے پانچ برس ہوگئے کہ میرے اور میرے خاوند کے پاس بکری کی کھال کے سوا کوئی چیز بچھانے کو نہیں ہے۔ رسالتآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا، فاطمہ میری بیٹی کے صبر کا بدلہ خدا کے پاس امانت ہے۔ اسکے بعد سیدۃ النسا نے آنحضرت سے عرض کیا کہ اے باپ کس چیز نے آپ کو اس قدر رُلایا ہے۔ رسالتآب صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیت سنائی۔ سنتے ہی سیدۃ النسار خوف خدا سے گر پڑیں۔ بار بار اس آیت کو پڑھتی رہیں۔ اور روتی رہیں۔

شفقت پدری سیر کی تمام کتابیں اس پر متفق ہیں کہ بی بی فاطمہ رفتار میں۔ گفتار میں۔ عادات اطوار میں سب سے زیادہ رسول اکرم سے مشابہ تھیں۔ خود رسالتمآب انکی عزت کرتے تھے بعض مورخین یہاں تک بیان کر رہے ہیں کہ جب وہ تشریف لاتی تھیں تو آپ کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور ان کا ہاتھ پکڑکے اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ چنانچہ صحیحین میں ابن عباس سے ایک روایت اس طرح ہے کہ جب امہات المومنین نے جمع ہوکر یہ بات تجویز کی ہے کہ بیویوں کی باری کے متعلق رسالتمآب سے کچھ عرض کریں تو سب نے مل کر ام سلمہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ مگر وہ جب ناکام آئیں تو بی بی فاطمہ سے درخواست کی کہ وہ جاکر تصفیہ کردیں۔ جب بی بی فاطمہ گئیں تو رسالتمآب نے انکو بوسہ دیا۔ اور فرمایا۔ بیٹی کیا تو اس چیز کو پسند نہ کریگی جسکو میں عزیز سمجھتا ہوں۔ بی بی فاطمہ نے فرمایا میں ضرور اُسے عزیز رکھوں گی۔ اتنا سنتے ہی رسالتمآب نے بی بی فاطمہ کو گلے سے لگالیا۔

بی بی فاطمہ کی فضیلت کے وجوہ جو کچھ بھی ہوں مگر اسمیں شک نہیں کہ رسول کو ان سے

ایک خاص شغف تھا۔ اور چند روز کی مفارقت میں بےچین ہو جاتے تھے۔ اسی لئے جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے بی بی فاطمہ کے ہاں جاکر ان کو دیکھ لیتے اور انکی خیریت معلوم کرنے کے بعد اور گھروں میں تشریف لیجاتے اور ہمیشہ یہ فرماتے فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جو اس کو دوست رکھے گا وہ مجھکو دوست رکھے گا۔ علل الشرائع کا مصنف لکھتا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

کوئی عورت اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگی۔ جب تک فاطمہ نہ داخل ہو جائے

احد کی مشہور لڑائی میں سرور عالم سخت زخمی ہوئے اور مسلمانوں کو آپ کی جانبری کی کوئی امید نہ رہی۔ مدینہ میں آپ کی خبر شہادت مشہور ہو گئی۔ اس وقت جو مسلمان عورتیں اپنے رسول کی محبت میں بیتاب ہو کر گھر سے باہر نکلیں اور موقعہ پر آئیں ان میں جگر گوشۂ رسول بی بی فاطمہ بھی تھیں۔ یہ سنکر کہ آپ زندہ ہیں مگر زخموں سے نڈھال اور بیہوش۔ دیوانہ وار خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ دیکھا کہ سرور کائنات زخموں کی تکلیف سے بیہوش پڑے ہیں۔ بی بی فاطمہ نے آپ کا سر مبارک اُٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔ اور بےچین ہو گئیں۔ آنکھ سے زار قطار آنسوؤں کی جھڑیاں بہہ رہی تھیں۔ اور سرور عالم کے جسم مبارک سے خون جاری تھا۔ حضرت علی اس موقعہ پر پانی بھر بھر کر لائے۔ اور بی بی فاطمہ نے تمام زخموں کو اپنے ہاتھ سے دھویا۔ جب تمام جسم اور چہرہ دھو کر صاف کر لیا۔ تو بوریا جلا کر اس کی راکھ زخموں پر چھڑکی۔ اور پٹیاں باندھیں۔ اس بیماری کی تکلیف میں سیدہ نے اس قدر رسول اکرم کی تیمارداری اور خدمت کی کہ اپنے تمام عیش و آسائش کو رسول اکرم پر سے قربان کر دیا۔ جب سرور کائنات نے غسل صحت فرمالیا ہے تو بی بی فاطمہ اپنے گھر گئیں۔ ورنہ اس تمام عرصہ میں ایک لمحہ کو بھی سرور عالم کو تنہا نہ چھوڑا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد رسول اکرم صلعم دوبارہ بیمار پڑے۔ اور اس موقعہ پر بھی بی بی فاطمہ نے ویسی ہی تیمارداری کی۔ مختصر یہ ہے کہ بی بی فاطمہ کو رسول اللہ سے اور

رسول اللہ کو سیدہ سے محبت نہیں۔ ایک عشق تھا۔ اور جس طرح رسول اللہ ان کے بغیر بےچین ہو جاتے تھے۔ اسی طرح وہ بھی رسالت مآب کی جدائی سے بیتاب ہو جاتی تھیں۔ ایک موقع پر حضور اکرم نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم نے ہم کو کبھی دیکھا ہے۔ حضرت علی اس جواب سے متعجب ہوئے۔ تھوڑی دیر تامل فرمایا تو رسالت مآب نے پھر وہی سوال کیا کہ علی تم نے کبھی ہم کو دیکھا ہے۔ حضرت علی متعجب تھے۔ پھر سہ بارہ رسول اللہ نے یہی فرمایا تو عرض کرنے لگے۔ روحی فداک یا رسول اللہ میں نے اچھی طرح دیکھا ہے۔ غزوۂ بدر میں جنگ حنین میں غرض بڑے بڑے موقعوں پر آپ کی دلیری و شجاعت دیکھ چکا ہوں۔ نبوت کی نشانیاں میں نے دیکھیں۔ خلق رسول اللہ میں نے دیکھا۔ کرم۔ رحم انصاف ہر چیز دیکھی۔ یا رسول اللہ میں ہر وقت حاضر رکاب رہتا ہوں۔ اور ہر لحہ آپ کو دیکھتا ہوں۔ اور اس وقت بھی چہرۂ اقدس کی زیارت کر رہا ہوں۔

آپ نے فرمایا نہیں علی تم نے ہم کو نہیں دیکھا۔ اتنا سنتے ہی علی کرم اللہ وجہہ پر ایک خاص حالت طاری ہو گئی۔ اور وہ اس قدر رنجیدہ اور متاثر ہوئے کہ بخار چڑھ آیا۔ کانپتے ہوئے گھر آئے۔ اور مفصل کیفیت بیان کی سیدہ نے اس کیفیت کو سنکر حضرت علی کو کمبل اڑھا دیا۔ اور رسول اللہ کو بلا بھیجا۔ رسول اکرم تشریف لائے تو بی بی فاطمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے آج علی کا دل توڑ دیا۔ آپ علی کو اپنا جمال دکھا دیجئے کہ تسکین ہو اور یہ تکلیف کم ہو۔ رسالت مآب نے فرمایا علی اٹھو اور اپنا دست مبارک سیدۃ النسا کے کندھے پر رکھ کے فرمایا۔ علی آؤ مجھے دیکھو۔ حضرت۔ حضرت علی کو بخار شدت سے تھا۔ اس وقت رسالتمآب کے چہرے میں ایسی دمک دیکھی کہ گر پڑے۔ مورخین بالاتفاق اس موقعہ پر لکھتے ہیں کہ جناب سیدہ کی خاطر اتنی رسول اکرم کو منظور تھی کہ بی بی فاطمہ کی درخواست رد نہ فرمائی۔ اور بہ طیب خاطر منظور کر لی۔

صاحب ناسخ التواریخ ایک واقعہ ان الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ جناب رسالتمآب نے دو وقت سے کھانا نہ کھایا تھا۔ اتفاق سے حضرت عثمان کو یہ علم ہوا اور وہ تھوڑا سا کھانا

خدمت اقدس میں لیکر حاضر ہوئے، آپ نے کہانا لے لیا۔ مگر تناول نہ فرمایا۔ جابر انصاری
بھی حضور کی بھوک سے واقف تھے کچھ کہانا لائے۔ آپنے وہ بھی لے لیا۔ اور نہ کہایا۔ اسوقت
جناب سیدہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں کھانا ساتھ تھا۔ روئیں اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ
آج دو وقت کے بعد یہ تھوڑا سا کھانا میسر آیا ہے علی سیر ہو چکے ہیں۔ آپ اگر شرکت فرمائیں
تو میں بھی پیٹ بھر لوں۔ رسالت مآب نے بی بی فاطمہ کی پیشانی کو فرط شفقت سے بوسہ
دیا اور کھانا تناول فرما لیا۔

یہی مورخ لکھتا ہے۔ حبب بخیرہ نے یہ درخواست کی ہے کہ سرور کائنات اپنے جسم
مبارک کا پھٹا ہوا کرتہ مجھکو عنایت فرما دیں اور صرف اس لئے کہ وہ زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل
نہ کرتا تھا، آپ ناخوش تھے۔ اس کی درخواست منظور نہ فرمائی۔ لیکن اس نے جب کوئی
چارہ نہ دیکھا تو بی بی فاطمہ سے التجا کی۔ اور آپنے اس کی سفارش فرمائی تو رسول اللہ
نے اس کی درخواست منظور فرما کر اپنا پرانا کرتہ اس کو دیدیا۔

ایک غلط خیال بعض مسلمانوں کا خیال ہے۔ اور کچھ آج سے نہیں ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ ام المومنین
عائشہ صدیقہ اور سیدۃ النسا فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے دلوں میں رنجش تھی اور سرور کائنات
کے زمانۂ حیات ہی میں یہ بیج دونوں کے دلوں میں پرورش پا چکا تھا۔ جو رسالتمآبؐ کے
انتقال کے بعد مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا۔ مگر واقعات پر غور کرنے سے یہ خیال درست
نہیں معلوم ہوتا۔ بی بی فاطمہ کے مزاج میں ایک صفت یہ بھی تھی کہ انکی طبیعت کینہ پرور نہ تھی۔
اگر کوئی بات ان کو ناگوار ہوتی تھی یا کسی شخص سے کوئی تکلیف پہنچی تھی تو اس کا اثر عارضی
ہوتا تھا۔ اور کچھ عرصہ بعد زائل ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ابن عبد اللہ اندلسی ابو سفیان کی
روایت سے امام حسن کے الفاظ یوں لکھ رہا ہے کہ ہماری ماں کی طبیعت میں کینہ نہ تھا۔ وہ
خفا ہونے کے بعد فوراً ہی رضامند ہو جاتی تھیں۔ گویا سیدہ کا غصہ دودھ کا ایک ابال
تھا کہ سخت تکلیف کی حالت میں تھوڑی دیر کے واسطے اس کا احساس ہوا۔ اور زائل ہو گیا

زمانہ حیات رسالت مآب میں وہی واقعہ جو صحیحین میں درج ہے۔ اور اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس دعوے کو ثابت کرتا ہے کہ جب رسالت مآب نے یہ فرمایا کہ میں عائشہ کو عزیز رکھتا ہوں تو بی بی فاطمہ نے یہ ہی جواب دیا کہ میں بھی اس کو جسے آپ عزیز خیال کریں۔ عزیز سمجھتی ہوں۔ ام المومنین اس لئے کہ وہ رشتہ میں ماں تھیں۔ اپنی بزرگی کے لحاظ سے بہت کم بی بی فاطمہ کے پاس آئیں لیکن سیدہ آخر وقت تک انکی خدمت میں اکثر حاضر ہوتی رہتیں اور دیر تک باتیں کرتیں۔ سرور کائنات کے بعد بھی باوجود خلیفۂ اول کی خلافت کے بی بی فاطمہؓ ام المومنین سے اکثر ملتی جلتی رہیں۔ اور جو ادب واحترام سرور کائنات کی زندگی میں ام المومنین کا تھا۔ وہ ان کے بعد بھی رہا۔ اسی طرح ام المومنین نے جو شفقت بزرگانہ رسول اکرمؐ کے زمانہ حیات میں سیدہ پر رکھی وہ انتقال کے بعد بدستور رہی۔ چنانچہ جس وقت امیر معاویہؓ نے مدینہ منورہ میں ایک عام جلسہ کیا۔ اور امام حسین سے بعیت کی درخواست کی۔ تو گو بی بی فاطمہ زندہ نہ تھیں مگر ام المومنین یہ سنکر برافروختہ ہو گئیں۔ امام حسین کے انکار بعیت پر امیر معاویہ کے ایک دستہ فوج نے تلواریں نکال لی تھیں۔ ام المومنین نے جب یہ سنا تو غصہ میں تھر تھر کانپنے لگیں اور اسی وقت مسجد نبوی میں آکر امیر معاویہ کو بلایا۔ اور کہا۔ سنا ہے کہ تو نبی و برگزیدہ کے نواسے حسین سے گستاخی سے پیش آیا۔ تجھے معلوم نہیں کہ گو اس کی ماں موجود نہیں۔ مگر میں زندہ ہوں اور دم بھر میں تیرا تمام زور ڈہا دوں گی۔

اگر ام المومنین کے دل میں بی بی فاطمہ کی طرف سے کوئی رنجش ہوتی یا ان کے تعلقات سے ناخوش ہوتیں تو ہرگز اس طرح ان کے بچے کی حمایت کو نہ کھڑی ہوتیں، اور یہ نہ کہتیں کہ اس کی ماں موجود نہیں ہے۔ مگر میں موجود ہوں۔ اس لئے یہ خیال کہ ان دونوں میں رنجش تھی۔ یقیناً غلط ہے۔ بی بی فاطمہ کی طبیعت اس قسم کی واقع ہی نہ ہوئی تھی کہ ان کے دل میں کوئی بات رہتی۔ چنانچہ انتقال سے تین روز قبل انہوں نے ام المومنین سے کھلے ہوئے الفاظ میں کہا تھا کہ اگر میرا کوئی فعل کبھی خلاف مزاج ہوا ہو۔ تو عنداللہ اس کو معاف فرما دیجیگا۔

ام المومنین یہ سنکر رو دیں اور بیٹی کو گلے سے لگا لیا۔ سلمہ بنت الزبیر مزاج کی تیز تھیں اور جس طرح بڑی بوڑھیاں لڑکیوں پر تنبیہہ کرتی رہتی ہیں۔ وہ سیدۃ النساء پر بعض دفعہ انتہائے ریاضت اور کثرت عبادت پر اعتراض کر بیٹھتیں۔ ایک دفعہ یہاں تک انہوں نے کہدیا کہ اپنے جسم کو مٹی میں ملا دینا کہاں کی عبادت ٹھہری۔ مگر بی بی فاطمہ ہمیشہ ان کے کہنے کو سنکر ٹال دیتیں۔ اور ان کی تعظیم و تکریم میں فرق نہ آنے دیتیں۔

بچے ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ ہجری کو خدائے پاک نے سیدہ کو صاحب اولاد کیا۔ اور ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اسماء بنت عمیس نے اس بچہ کی پرورش میں بہت حصہ لیا ہے۔ رسالتمآب صلعم نے جب پیدائش کی خبر سنی تو تشریف لائے۔ بچہ کو گود میں لیا۔ اور حسن نام رکھا۔ ۵ شعبان ۴ھ ہجری میں یعنی قریباً ایک سال بعد دوسرا بچہ پیدا ہوا جس کا نام سرور کائنات نے حسین رکھا۔

سیدۃ النساء کے بطن سے چھ بچے پیدا ہوئے حسن حسین، رقیہ۔ ام کلثوم۔ زینب اور محسن دو صاحبزادیاں زینب اور کلثوم عمر طبعی کو پہنچیں۔ مگر محسن کی پیدائش میں دونوں اہل سنت و شیعہ کچھ تھوڑا سا اختلاف رکھتے ہیں۔

علم سیدۃ النساء سے اکثر روائتیں موجود ہیں وہ علی الاعلان مسجد نبوی میں وعظ فرماتی تھیں۔ کلام اللہ پر ان کو عبور تھا۔ اور جس وقت وعظ کہتی تھیں تو سامعین پر اس قدر اثر ہوتا تھا کہ لوگوں کی روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ شعر بہت کم کہتی تھیں۔ مگر تقریر ایسی بے نظیر ہوتی تھی، کہ سبحان اللہ۔ درس بھی دیتی تھیں۔ اور تمام عرب میں ان کی قابلیت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ ملا حسن شیرازی کہتا ہے کہ ان کو کلام اللہ پر اس قدر عبور تھا کہ بعض دفعہ انکی تمام گفتگو کا ماخذ کلام اللہ ہوتا تھا۔ اس نے ایک موقعہ پر ایک سائل اور سیدہ کا مکالمہ درج کیا ہے اور یہ مکالمہ بہت طویل ہے جسمیں اس کے ہر سوال کا جواب بی بی فاطمہ نے محض کلام اللہ سے دیا ہے۔ ہم طوالت کے خیال سے اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔

وہ ایک جگہ لکھ رہا ہے کہ رسالتمآب کے انتقال کے بعد شام کے ایک تاجر کو جو مسلمان ہو چکا تھا۔ کلام اللہ کی ایک آیت کے سمجھنے میں دقت ہوئی چنانچہ وہ اس مرحلہ کو طے کرنے کے واسطے آیا۔ چاروں طرف پھرا۔ مگر کسی کے جواب سے اس کی تشفی نہ ہوئی تو سیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اس کی تفسیر اس خوبی سے بیان کی کہ تاجر مطمئن ہو گیا۔

صاحب علل الشرائع اس بڑھیا کی بابت جس نے خلیفہ دوم کو دوران وعظ میں بڑے مہر کے باندھنے کی ممانعت پر ٹوک دیا تھا۔ اور کہا تھا خاموش رہ۔ کلام اللہ کے خلاف کہہ رہا ہے۔ اور فاروق اعظم کو اس کا اعتراض تسلیم کرنا پڑا تھا۔ لکھتا ہے یہ بڑھیا اسماء بنت عمیس تھی جس کا تمام وقت سیدۃ النساء کی خدمت میں صرف ہوتا تھا۔ اور انہی کا فیض صحبت تھا کہ بڑھیا کلام اللہ سے اچھی طرح واقف ہو گئی تھی۔

ملا کا بیان ہے کہ ایک موقعہ پر جب رسالتمآب سفر میں تشریف فرما تھے، نماز جمعہ کے بعد سیدہ نے مسجد نبوی میں وعظ فرمایا۔ اس آیت کی تفسیر کر رہی تھیں۔

قل لو کان البحر مدادًا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہٖ مددا۔

سامعین میں ایک شخص حارث ابن سعد بھی موجود تھا۔ وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس کا کلیجہ شق ہو گیا۔ اور وہیں چیختا پیٹتا مر گیا۔

ہم کو یہاں تک تو پتہ چل رہا ہے کہ سیدہ نے اشعار فرمائے۔ اور وہ بعض دفعہ شعر کہتی تھیں۔ مگر افسوس باوجود تلاش و محنت کے سیدہ کا کلام ہم کو میسر نہ آسکا۔ صرف ایک ایرانی مورخ کچھ پیش کر رہا ہے۔ لیکن اسکی تائید کسی دوسری کتاب سے نہیں ہوتی۔

بچوں کی پرورش

حسنین علیہم السلام کی زندگی سے جو فیض دنیا کو پہنچا۔ ان کی قابلیت اُن کا علم و حلم۔ انکسار۔ خلق۔ ریاضت۔ عبادت یہ سب پاک ماں کی گود کا اثر تھا وہ بچوں کو سلاتے وقت بھی بطور لوری کے کلام اللہ کی آیتیں پڑھتی تھیں اور شروع ہی سے ان کے

کانوں میں خدا کی عظمت جاگزین ہو تی تھی۔ انہوں نے ان بچوں کو سمجھایا تو خدا کے کلام سے
ڈرایا تو خدا کے کلام سے۔ چنانچہ صاحب علل الشرائع کہہ رہا ہے کہ ایک دفعہ دونوں بچوں
میں کچھ لڑائی ہوئی۔ اور مار کٹائی تک نوبت پہنچ گئی۔ چوٹ دونوں کے لگی اور روتے ہوئے
ماں کے پاس آئے۔ بڑے نے چھوٹے کی شکایت کی اور چھوٹے نے بڑے کی۔ آپنے دونوں
کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور فرمایا، تمہارا اللہ تو تم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ تم آپس میں لڑ جھگڑ
کر فتنے برپا نہ کرو۔ اور تم خدائے برحق کے حکم کے خلاف باہم لڑتے جھگڑتے ہو۔ اس بحث
کو تو جانے دو کہ کس نے زیادہ مارا۔ اور کس نے کم۔ ابتدا کس سے ہوئی اور بے قصور کون تھا۔
مگر خدا کی نافرمانی تو تم دونوں سے ہوئی۔ بتاؤ خدا کے ہاں اس کا کیا جواب دو گے۔
ماں کا کہنا کچھ ایسا کارگر ہوا کہ دونوں بچے اپنی اپنی شکایتوں کو بھول گئے اور خوف
آخرت سے رونے لگے۔ جب رو چکے تو ماں سے عرض کیا۔ ہمارے گناہ اب تو خدا سے
معاف کروا دیجئے۔ آئندہ ہم سے ایسی خطا ہرگز نہ ہوگی۔ آپنے فرمایا اچھا وضو کرو۔ اور میرے
پاس آؤ۔ دونوں لڑکے دوڑے دوڑے گئے۔ اور وضو کر آئے۔ تو آپ نے انکو سجدے
میں گرا دیا۔ اور کہا لو اپنے قصور کی خدا سے معافی مانگو۔ بچے رو رو کر اپنے قصور کی مالک
حقیقی سے معافی طلب کر رہے تھے۔ اور ان کے ساتھ ہی سیدہ بھی گریہ وزاری میں بچوں کے
ساتھ مصروف تھیں۔ یہی مورخ کہتا ہے کہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا جو سیدہ کی صاحبزادی
تھیں۔ وہ صاحبزادی جن کے دو بچے عون اور محمد سید الشہدا کے ساتھ میدان کربلا
میں شہید ہوئے۔ بچپن میں ایک روز کلام اللہ پڑھ رہی تھیں اور استغراق کی یہ کیفیت تھی
کہ ان کو کسی چیز کا مطلق ہوش نہ تھا۔ سر سے ردا اتر گئی۔ ان کو خبر نہ ہوئی ننگے سر
تلاوت کرتی رہیں۔ اتفاق سے ماں کی نظر پڑ گئی۔ اٹھیں قریب آئیں ردا اڑھا دی اور فرمایا
بیٹی خدا کا مقدس کلام اور ننگے سر

رسول اللہ کے آثار رحلت اب وہ وقت تھا۔ کہ بڑے بڑے جابر و سرکش جو اسلام کے نام سے جلتے

تھے مسلمان ہو چکے تھے۔ قریش کا سرگروہ ابو سفیان ایمان لا چکا تھا یمن میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی۔ طائف فتح ہو گیا تھا۔ اور وہ مٹھی بھر مسلمان جن کو ایک وقت میں خدا کی پاک ذات کے سوا کوئی سہارا نہ تھا۔ ہزاروں تک پہنچ گئے تھے۔ قریش کا زور ٹوٹ گیا۔ منافقوں کے دل بجھ گئے۔ اور عرب کا بڑا حصہ اسلام کی روشنی سے جگمگا اٹھا ہجرت کا دسواں سال تھا کہ سرور کائنات نے خانہ کعبہ کا حج کیا۔ جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، اور لوگوں کو احکام حج بتائے۔ اسی اثنا میں یہ آیت نازل ہوئی[1] "کافر آج کے دن مایوس ہو گئے۔ پس تم ان کا خوف نہ کرو۔ مجھ سے ڈرتے رہو۔ آج کے روز پورا کر دیا میں نے تمہارا دین، اور تمام کر دی تمہارے اوپر اپنی نعمت۔ اور راضی ہوا میں تمہارے دین اسلام سے۔

اس آیت کے نازل ہوتے ہی لوگ سمجھ گئے کہ اب سرور عالم کو دنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کا وہ کام اور خدمت جس کے لئے خدا نے اپنے پاک بندے کو ہمارے واسطے بھیجا تھا ختم ہوا۔ اور اب سرور کائنات چند روز کے مہمان ہیں خلیفہ اول ابوبکر صدیق یہ آیت سنکر بہت روئے۔ اور سمجھ گئے کہ جدائی کا وقت قریب آ گیا۔ بی بی فاطمہ نے جس وقت یہ آیت سنی تو سرور کائنات کے فراق کے خیال سے اسقدر روئیں کہ بیتاب ہو گئیں۔ اور اسی حالت میں حضور اکرم کی خدمت میں پہنچکر رسالتماب کے پاک چہرے کی زیارت کرلی تو تسکین ہوئی۔

حج سے واپس آتے ہی سرور کائنات کی طبیعت کچھ علیل ہو گئی تھی۔ مگر خیال یہ تھا کہ شاید راستہ کی تکان اور سفر کا اثر ہو گا۔ مگر وہ علالت بجائے رفع ہونے کے ترقی کرتی گئی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ کسی میت کے دفن میں شرکت فرمانے۔ بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو دیکھا کہ ام المومنین عائشہ سر کو پٹی باندھے ہائے ہائے کر رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا عائشہ میرے سر میں بھی درد ہے۔ ام المومنین نے کہا اگر میں درد سر میں

---

[1] اليوم يئس الذين كفروا من دينكم فلا تخشوهم واخشون اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا۔

مرگئی تو آپ جھٹ دوسری شادی کرلیں گے۔ رسول اکرم ام المومنین کے اس کہنے پر مسکرائے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ مگر ام المومنین کا درد دوسرے روز جاتا رہا۔ اور رسالتمآب کا بخار بڑھتا گیا کئی روز تک آپ اسی حالت میں گھر میں پڑے رہے۔ اور باہر تشریف نہ لاسکے۔ ایک دن جب کچھ افاقہ ہوا تو باہر تشریف لائے۔ لوگ اپنے رسولؐ کی زیارت کو ترس گئے تھے۔ سرور کائنات کے تشریف لاتے ہی اس طرح دوڑے جس طرح شمع پر پروانے۔

• سرور کائنات کی اس علالت وحالت نے سیدہ کی حالت خراب کردی ان کا دل فطرتاً کمزور واقع ہوا تھا۔ ماں کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ چکا تھا۔ اور گو حضرت علی جیسا شوہر اور حسنین جیسے بچے موجود تھے۔ مگر سرور عالم کی رحلت کا خیال ان کو سخت بےچین کررہا تھا۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی حالت مرض میں اپنے مقدس باپ کی پٹی نہ چھوڑی ہر وقت انکی خدمت اور تیمارداری میں مصروف رہتیں۔

اصابہ کا مصنف لکھ رہا ہے کہ جب بی بی فاطمہ کی حالت زیادہ خراب ہوئی۔ اور سرور کائنات کو اندیشہ ہوا کہ فاطمہ تڑپ تڑپ کے نہ مرجائے۔ تو آپ نے فاطمہ کو اپنے پاس بلایا۔ اور آہستہ سے کان میں فرمایا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملوگی رسول اکرم کے یہ الفاظ سنکر سیدۃ النساء کے چہرہ پر مسکراہٹ آگئی اور وہ رنج اس خیال سے تھوڑی دیر کے واسطے زائل ہوگیا۔

سرور کائنات باہر تشریف لے گئے۔ تو آپ نے اسی حالت مرض میں خطبہ پڑھا۔ اور مسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔

اس وقت جو خاص واقعہ پیش آیا بظاہر اس کتاب کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر حضرت علی کا تعلق جو کچھ رسول خدا سے تھا۔ اس کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں۔ اس لئے نقل کرتے ہیں۔ خطبہ اور نصیحتوں کے بعد سرور کائنات نے حکم دیا۔ اگر تم میں سے کسی کا کوئی حق مجھ پر ہو تو طلب کرلے تاکہ آخرت کا مواخذہ نہ رہے۔ ایک صحابی جن کا نام عکاشہ تھا سنتے ہی آگے

بڑھے۔ اور کہا، ایک دفعہ جہاد کے موقعہ پر آپ اونٹ کو کوڑا مار رہے تھے۔ اتفاق سے میرے لگ گیا۔

سرورِ کائنات نے فرمایا، اچھا وہ کوڑا منگوالو۔ چنانچہ وہ کوڑا فوراً آ گیا اور آپ نے عکاشہ سے فرمایا۔ لو عکاشہ اپنا بدلہ لے لو۔

اس وقت صحابہ کی جماعت پر ایک سناٹا تھا۔ لوگ پریشان تھے کہ یہ شخص جو ہمیشہ رسولِ اکرم سے عشق و محبت کا دعویٰ کرتا رہا۔ اس وقت سرورِ کائنات بیمار ہیں ضعف کی یہ حالت ہے کہ اچھی طرح کھڑے بھی نہیں ہو سکتے۔ بخار چڑھا ہوا ہے۔ ایسی گستاخی کی جرأت کس طرح کر رہا ہے۔ جب کوڑا آ گیا تو عکاشہ نے کہا یا رسول اللہ میں اس وقت جب کوڑا لگا ہے ننگے بدن تھا۔ میرے تن پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ اس لئے آپ بھی اسی طرح قصاص دیجئے۔ سرورِ کائنات صلعم نے یہ سنتے ہی اپنا کرتہ اُتار دیا۔ اور عکاشہ سے کہا بسم اللہ کر اور اپنا قصاص لے۔

لوگ اپنے بیمار رسول کو اس حال میں دیکھکر چیخیں مارنے لگے۔ مگر کسی کی اتنی ہمت نہ تھی کہ عکاشہ سے کچھ کہہ سکے۔ عکاشہ نے جس وقت ہاتھ میں کوڑا لیا، تو حضرت علی سے جو سیدہ کے شوہر تھے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ روتے ہوئے آگے بڑھے۔ اور کہا عکاشہ رسولِ خدا بیمار ہیں۔ اس وقت قصاص کے قابل نہیں۔ تو اپنا بدلہ مجھ سے لے۔ اور جس قدر کوڑے تیرا دل چاہے میرے جسم پر مار۔ مگر اس وقت رسولِ اکرم کو اذیت نہ دے۔

عکاشہ۔ میں نے آپ کے ہاتھ سے کوڑا نہیں کھایا تھا۔ آپ سے کس طرح قصاص لے سکتا ہوں۔

حضرت علی۔ میرے دونوں بچے حسنین موجود ہیں۔ تو ان کے کوڑے مار لے مگر اس وقت رسالتماب کو تکلیف نہ دے۔

رسول اللہ۔ نہیں علی تمہارے یا حسنین کے مارنے سے قصاص نہیں ہو سکتا۔

قصاص کا لفظ بہانہ تھا۔ عکاشہ نے مہر نبوت چومی۔ اور عرض کیا، میں نے یہ فعل صرف اس لئے کیا ہے کہ دوزخ کی آگ مجھ پر حرام ہو جائے۔

صحیحین میں ابن عباس سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلعم کی حالت زیادہ بگڑنے لگی، تو آپ نے فرمایا، لاؤ کاغذ لاؤ۔ میں تم کو کچھ لکھوا دوں۔ تاکہ میرے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو جاؤ یا لڑو جھگڑو نہیں۔

اس وقت خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق بھی موجود تھے۔ آپ نے کہا کہ اس وقت سرور عالم کو تکلیف زیادہ ہے۔ اس لئے ایسا فرما رہے ہیں۔ ہم کو وصیت کی ضرورت نہیں "حسبنا کتاب اللہ" خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔

حاضرین میں سے بعض نے فاروق اعظم کے اس جواب کو پسند نہ کیا۔ اہلبیت کا خیال تھا کہ رسالتماب ہمارے واسطے کچھ لکھوا رہے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ کاغذ لا کر لکھ لینا چاہیئے۔ بعض کا خیال تھا کہ فاروق اعظم کا کہنا درست ہے۔ سرورکائنات کو تکلیف ہے۔ ایسی حالت میں زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ کتاب اللہ ہمارے واسطے بیشک کافی ہے۔
اس بحث مباحثہ میں غل غپاڑہ تک نوبت پہونچ گئی۔ یہانتک کہ رسالتماب نے فرمایا

تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ

مختصر یہ کہ مجمع درہم برہم ہو گیا۔ اور معاملہ طے نہ ہو سکا۔ لیکن ابن عباس نے جو رسول اکرم کے چچا تھے۔ حضرت علی سے فرمایا۔ علی مجھکو رسول اللہ کی حالت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ تم ابھی بچے ہو۔ میں اپنے خاندان کی بہت سی موتیں دیکھ چکا ہوں۔ بولتے بولتے دم نکلتا ہے۔ اور جو علامتیں آخر وقت کی ہوتی ہیں۔ وہ سب رسول اللہ میں پا رہا ہوں۔ میری رائے میں یہ مناسب ہو گا کہ تم مسئلہ خلافت کو رسول اکرم سے طے کر لو کہ یہ منصب کس کو دیا جائے۔ تاکہ پھر کسی قسم کا جھگڑا باقی نہ رہے۔

حضرت علی نے بچشم تر یہ گفتگو حضرت عباس کی سنی اور رو کر فرمایا کہ میں کس دل سے

یہ سوال رسول اکرم سے کروں، میرا دل نہیں چاہتا کہ، میں اُن سے یہ عرض کروں۔

بیماری کی شدت زیادہ ہوئی تو سرورِ کائنات نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ تم اپنے باپ سے کہدو، کہ میں اب باہر آنے کے قابل نہیں، تم امامت کرو۔ اور میری جگہ نماز پڑھایا کرو۔

ام المومنین نے رسول اللہ کے جواب میں عرض کیا۔

یارسول اللہ میرے باپ رقیق القلب آدمی ہیں۔ ان کو آپ سے جو محبت ہے وہ ظاہر ہے وہ آپ کی جگہ خالی دیکھکر ضبط نہ کرسکیں گے۔ بے قرار ہو جائیں گے۔ آپ اس کام کے واسطے کسی اور کو مقرر فرمائیے تو بہتر ہے۔

رسالتمآب کے چہرۂ مبارک پر اس وقت شکن پڑ گئی۔ اور آپ نے پھر وہی فرمایا جو پہلے فرمایا تھا۔ ام المومنین نے اپنے محترم باپ کی خدمت میں یہ الفاظ رسالتمآب کے پہنچا دیئے۔ اور ابوبکر صدیق نے اس ارشاد کی تعمیل میں پانچ وقت نماز پڑھائی۔ اب سرورِ کائنات کی حالت میں کچھ افاقہ تھا۔ حضرت علی کے سہارے سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھہ کر باہر تشریف لائے، تو مسجد نبوی میں جماعت ہو رہی تھی۔ اور حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ سرورِ کائنات کی آہٹ پاکر نمازیوں نے اپنے رسول کے آنے کی اطلاع اس طرح ابوبکر صدیق کو دی کہ کھانسنے لگے۔ ابوبکر صدیق نے یہ معلوم کرکے کہ سرورِ کائنات تشریف لے آئے ہیں۔ نماز توڑنی چاہی اور سالٹے پاؤں پیچھے ہٹے۔ مگر رسول اکرم نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھہ کر ان کو امامت پر کھڑا کر دیا۔ اور آپ سیدھی طرف کھڑے ہو کر نماز میں شریک ہو گئے۔ مگر بخار چڑھا ہوا تھا۔ کمزوری بڑھ گئی تھی۔ کھڑے نہ رہ سکے۔ بیٹھنا پڑا اور بیٹھے ہی بیٹھے نماز ادا کی۔

نماز کے بعد رسول اکرم گھر میں تشریف لے گئے۔ اور یہ نماز خدا کے پاک نبی کی آخری نماز تھی۔ اس کے بعد باہر تشریف لا سکے۔ نہ نماز کے واسطے کھڑے ہو سکے۔

وفات رسول اللہ | بخار کی شدت لمحہ بہ لمحہ تیز ہو رہی تھی۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ ایسی شدت کا بخار میں نے کبھی اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ باوجودیکہ جسم مبارک پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ مگر اس پر بھی ہاتھ رکھنے سے حرارت کی شدت یہ تھی کہ ہاتھ جھلسا جاتا تھا۔ سرور کائنات ام المومنین عائشہ کے حجرے میں تھے۔ اور حضرت علی اور سیدہ تیمار داری میں مصروف تھے۔ مگر اب وہ وقت تھا کہ سرور کائنات کی زبان مبارک سے سوا اللھم رفیق الاعلیٰ کے اور کچھ نہ نکلتا تھا۔

رسالت مآب کی اس کیفیت سے یوں تو اہل بیت اور امہات المومنین کیا مسلمانوں کا بچہ بچہ رو رہا تھا۔ مگر بی بی فاطمہ کی حالت بہت ردی تھی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اب سرور عالم کی زبان مبارک سے خدا کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اور زندگی سے مایوس ہو گئیں تو گو حضرت علی جیسا شوہر اور حسنین جیسے لال موجود تھے۔ مگر محمد جیسا باپ ایسا باپ نہ تھا کہ فاطمہ جیسی بیٹی اس کی موت کا صدمہ سہار جاتی۔ آج ماں کی موت کا صدمہ بھی تازہ ہوا۔ وہ سرور کائنات کے چہرہ کو غور سے دیکھتیں اور جب یہ دیکھتیں کہ باپ کی آنکھیں اب فاطمہ کو پہچاننے کے قابل نہیں تو کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جاتیں۔ پھر اٹھتیں حالت یاس میں ادھر ادھر پھرتیں۔ اور پھر چہرۂ اقدس پر نظر ڈالتیں۔ اور دیکھتیں کہ اب یہ پیاری صورت تھوڑی دیر کی مہمان ہے۔ اور میری آنکھ سے اس طرح اوجھل ہو گی کہ سر ٹکراؤں گی اور نہ پاؤں گی۔ ماں کا سایہ بچپن میں اٹھا۔ لے دیکر جو کچھ تقویت یا سہارا اس وقت تھا وہ صرف باپ کا۔ ورنہ دنیا جان کی دشمن تھی۔ وہ باپ جس کو دم بھر کی مفارقت خوشی سے گوارا نہ تھی۔ آج موت اس کو جدا کرتی ہے۔ دفعتہً بی بی فاطمہ نے سرور کائنات کے پائے مبارک سے اپنی آنکھیں ملیں بوسہ دیا اور دونوں ہاتھ پاؤں میں ڈال کر چمٹ گئیں۔

ملا حسن شیرازی اس جگہ لکھ رہا ہے کہ گو شدت بخار سے سرور عالم کو سخت تکلیف

تھی۔ مگر آپ نے آنکھ کھولی اور یہ دیکھکر کہ فاطمہ سخت بے چین ہے۔ آپ نے اشارے سے اپنے پاس بلایا، اور دست مبارک بیٹی کے سر پر رکھکر آنکھیں بند کرلیں۔ اسوقت فرط شفقت سے سیدہ کی طبیعت اور بھی بگڑی۔ انہوں نے اس مبارک ہاتھ کو پیار کیا اور اپنے منہ پر پھیرا۔ اور آنکھوں سے لگائے روتی رہیں۔

اب سکرات شروع ہوگئی اور وہ دماغ جس نے بڑی بڑی الجھی ہوئی گتھیاں چشم زدن میں سلجھا دیں۔ دنیا کے کاموں سے بے خبر ہوگیا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ سکرات کی سختی اس قدر تھی کہ میں نے یہ سختی پہلے نہ دیکھی۔ اس وقت بی بی فاطمہ چاروں طرف حسرت سے تکتی تھیں اور کوئی قوت ایسی نہ تھی۔ جو ان کے باپ کی مقدس روح کو وصال خدا سے روک کر اُن کے پاس چھوڑ دیتی۔ پاک روح کے پرواز کا وقت قریب آتا جارہا تھا۔ اور سیدہ کے چہرہ پر آثار یتیمی برسنے شروع ہوگئے تھے۔ حسنین اسوقت یہاں موجود نہ تھے۔ حضرت علی کو بھیجکر سیدہ نے اپنے بچوں کو بلایا۔ اور کہا حسنین کہاں تھے۔ آج تمہارے نانا کی پاک روح دنیا سے رخصت ہوتی ہے۔ اور فاطمہ کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھتا ہے۔ حسنین نانا کی صورت اب نظر آنے والی نہیں۔ یہ وقت وداع ہے۔ میں اپنے مقدس باپ کو اس طرح دنیا سے رخصت کر رہی ہوں کہ رسول خدا کے گھر میں جلانے کا تیل بھی نہیں حسنین میری میزبانی میں شریک ہو اور میرے باپ کو دنیا سے رخصت کرو۔

حضرت علی نہایت ضبط سے کام لے رہے تھے۔ اور گو دل کی حالت بہت خراب تھی۔ باپ سمجھو۔ خسر سمجھو۔ سرپرست کہو، ولی کہو۔ محسن تھے۔ رسول تھے۔ اور جو کچھ بھی تھے رسول اللہ اور صرف رسول اللہ۔ بچوں کی طرح رکھا۔ بیٹوں کی طرح پالا۔ مگر دکھتے۔ ضابطہ جاری بھرکم۔ دلپر جو گذر رہی تھی سہار رہے تھے۔ لیکن اس وقت سیدہ کی اس تقریر سے دل بھر آیا۔ بچوں کو رسول اللہ کے قدموں پر گرادیا۔ اور بی بی سے کہا۔

فاطمہ! حسنین تیرے باپ کے غلام ہیں

اس وقت حضور اکرم کی حالت اس قابل نہ تھی کہ وہ جن بچوں کی ادنیٰ تکلیف پر بھی متاثر ہو جاتے تھے اُن کی اس کیفیت کو سمجھ سکتے۔ یہ اختلاف روایات ربیع الاول کی بار[illegible] تاریخ اور ہجرت کا گیارہواں سال تھا کہ اس حالت میں حضور اکرم نے دنیائے ناپائیدا[illegible] سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔

انتقال کے وقت سرور عالم کا سر مبارک ام المومنین عائشہ صدیقہ کی گود میں تھا۔ اور حضرت عائشہ اس پر فخر کرتی تھیں۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

وصال کے وقت سر مبارک میرے زانو پر تھا جس رات وصال ہوا میرے ہاں رہنے کی رات تھی۔ میرے حجرے میں آپ مدفون ہوئے۔

اہل تشیعہ کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت رسول اکرم کا سر مبارک حضرت علی کی گود میں تھا اور سیدہ برابر بیٹھی تھیں۔ چنانچہ حضرت علی کے الفاظ یہ ہیں۔

جب روح نے عالم بالا کو پرواز کیا، تو آپ کا سر میری گود میں تھا۔ فاطمہ میرے براب[illegible] تھی۔ اور میں نے سانس نکلتے وقت ٹھوڑی کو سہارا دے کر منہ بند کر دیا۔

جب ابو بکر صدیق نے سرور کائنات کی خبر وفات سنی تو آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا اے لوگو آج پیغمبر خدا کا انتقال ہوا سنو اگر تم صرف محمدؐ کی عبادت کرتے تھے تو وہ اب ہم میں نہیں ہیں۔ انتقال کر گئے۔ اور اگر خدا کی عبادت کرتے تھے تو وہ زندہ ہے۔ اور زندہ رہے گا۔ خلیفہ دوم حضرت عمر خبر موت سنکر تلوار ہاتھ میں لے باہر کھڑے ہو گئے او[illegible] کہا کہ اگر کسی شخص کی زبان سے بھی یہ نکلا کہ رسول اللہ انتقال کر گئے تو اس کی گردن اُڑا دونگا وہ زندہ ہیں، خدا کے ہاں گئے ہیں اور پلٹ کر آجائیں گے۔ حضرت صدیق اکبر نے اس موقع پر حضرت عمر کو سمجھایا اور کہا یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ اس کی شہرت نہ دو۔ موت ہر ذی روح کو ایک دفعہ آتی ہے۔ اور پھر دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں ہوتا۔ رسول اللہ اب دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور ان کے واپس تشریف لانے کی کوئی امید نہیں۔

ارشادِ نبوی کے موافق اہلبیت رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تدفین میں مصروف ہوئے مسلمانوں میں اس خبر نے تہلکہ مچا دیا، لوگ جوق جوق جمع ہوتے تھے۔ اور اپنے رسول کے چہرۂ اقدس کی زیارت سے مشرف ہو کر جاتے تھے۔ جناب سیدہ کی آنکھوں میں اسوقت دنیا اندھیر تھی کہا جاتا ہے کہ روئے زمین پر چار آدمیوں کی گریہ وزاری مشہور رہی ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم جب جنت سے علیحدہ ہوئے۔ تو اس قدر روئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں نکل آئیں۔ اور ان کے بعد حضرت یعقوب جس وقت حضرت یوسف ان سے جدا ہوئے بیٹے کی مفارقت میں اس قدر روئے کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ تیسرے سیدۃ النسا اپنے محترم باپ رسول اکرم کی مفارقت میں اس قدر روئیں کہ چھ مہینے کے اندر ہی اندر اس صدمہ میں خدا کے ہاں جا پہنچیں۔ چوتھے امام زین العابدین سید الشہدار کے بعد۔

سچ یہ ہے بی بی فاطمہ جس قدر بھی روتیں اور جو کچھ بھی ان پر صدمہ ہوتا کم تھا عالم کو تو آنکھ کھول کر دیکھا ہی نہیں اگر دیکھا بھی تھا تو وہ دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر ہے۔ ماں تھے تو، اور باپ تھے تو، حضور اکرم اور پھر رسول اللہ جیسے باپ کہ دم بھر کو بیٹی جدا ہو جائے تو بے چین ہو جائیں۔ اور بیٹی کیا بیٹی کے بیٹے حسنین نماز میں کندھوں پر چڑھے ہیں تو سجدے سے سر نہ اٹھائیں، خدا کا رسول اور فاطمہ کے بچوں کا گھوڑا۔ اللہ اللہ اس سے زیادہ الفت و محبت کیا ہوگی۔

تدفین | ناظر اگر تھوڑی دیر کے واسطے چشم تامل سے اس واقعہ پر غور کرے کہ دونوں جہان کا سردار، خدا کا پاک رسول جس نے ایک عربستان ہی نہیں روئے زمین پر اپنی رسالت اور خدا کی وحدانیت کا ڈنکا بجا دیا۔ آج دنیا سے رخصت ہو گیا۔ تو ایک عجیب منظر آنکھ کے سامنے آ جاتا ہے جس منہ سے ہمیشہ پھول جھڑتے تھے ہمیشہ کو خاموش ہو گیا۔ جو ذات پاک بیکسوں کا وارث، یتیموں کا ملجا اور اپاہجوں کا ماوا تھا ہمیشہ کو جدا ہو گئی۔ رسول اللہ کا جسد خاکی ام المومنین عائشہ صدیقہ کے حجرے میں ایک چٹائی پر رکھا ہوا ہے۔ اور سیدہ جیسی بیٹی

باپ کے سرہانے بیٹی محترم باپ کو یاد کر رہی ہے۔ اپنی بیکسی کا خیال باپ کے فراق کا صدمہ معصوم بچوں کے سر سے نانا جیسے شفیق بزرگ کے سایہ کا اٹھنا اور سب سے زیادہ یہ خیال کہ جس سے دنیا اور دین دونوں کی توقعات تھیں۔ آج اس کا پاک جسم بے جان آنکھوں کے سامنے پڑا ہے۔ اس واقعہ کی پوری تصویر اور اس درد انگیز حالت کا اصلی بیان بہت مشکل سے ادا ہو سکتا ہے۔ میت کو گود میں لئے ہوئے اور باپ کے سر مبارک کو چھاتی سے لگائے ساڑھے تیرہ گھنٹے کی رات غریب فاطمہ کی آنکھوں میں کٹ گئی۔ دوسرے روز نو بجے کے بعد غسل شروع ہوا، کیا وقت ہوگا اور کیا دل کہہ رہا ہوگا۔ اس بیٹی کا جس نے لمحہ بھر کو باپ کی مفارقت خوشی سے گوارا نہ کی۔ یہ دیکھکر کہ باپ کی شفقت و محبت کی یادگار جسد خاکی جو اس وقت سامنے ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی اوجھل ہوتا ہے۔ غسل میں تمام اہلبیت شریک تھے۔ سیدہ نے پانی کی بہنیاں بھر بھر کر جسم اطہر پر ڈالیں۔ جس شخص کا کلمہ آج سات کروڑ ہندوستان میں اور سینتیس کروڑ مسلمان روئے زمین پر پڑھ رہے ہیں۔ جس کی نسبت ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ناپاک چیز ان الفاظ سے پاک ہوتی ہے۔ جو نام دنیا اور دین دونوں کی نجات کا باعث ہے۔ آج اسی کے غسل آخر پر اسی کا نام پڑھا جا رہا ہے۔ اور فاطمہ باپ کے اوپر پانی ڈال کر بآواز بلند کہہ رہی ہیں۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مسلمانوں نے سرور کائنات کی تصدیق ان کی حیات میں ان الفاظ سے کی اور بعد ممات یہ آخری تصدیق جسد خاکی پر اہل بیت کی زبانی ہوئی۔ دو بجے کے قریب غسل سے فرصت ہو گئی تو کفن کا وقت آیا۔ یہ بارہ آنے گز کا لٹھا اور دس آنے گز کی تنزیب نہ تھی۔ اور ہوتی کہاں سے سردار دوجہاں کے گھر میں رکھا ہی کیا تھا۔ جلانے کا تیل تو میسر تھا ہی نہیں۔ معمولی موٹے جھوٹے کفن میں اس پاک جسم کو جو مسلمانوں کی جان اور ایمان تھا۔ کفنا دیا۔

اب وہ وقت قریب آرہا تھا کہ یہ پاک جسم بیٹی کی آنکھوں سے سدا کو چھپ جائے دفن میں تھوڑا سا اختلاف ہوا تھا مگر بالآخر یہ گفتگو شروع ہوئی اور اسی پر فیصلہ ہوا کہ رسول خدا کو اسی جگہ دفن ہونا چاہیئے۔ جہاں روح نے عالم بالا کو پرواز کیا ہے۔

کیسا قیامت خیز سماں ہے جو لوگ پروانوں کی طرح ہمیشہ اس شمع پر نثار رہے۔ جس بچہ کی زبان سے اس حالت میں کہ تمام دنیا دشمنی اور قتل پر کمربستہ تھی۔ یہ الفاظ نکلے تھے کہ رسول اللہ میرے ماں باپ فدا میں آپ کے ساتھ ہوں۔ جس بیٹی کی زبان سے ہمیشہ یہ نکلا یا رسول اللہ بھوک کی شدت میں آپ کے جمال جہاں آرا سے تمام تکلیف رفع ہوجاتی ہے آج وہی رسول اکرم کے واسطے قبر کھود رہے ہیں کہ اس جسد خاکی کو پیوند زمین کردیں۔ قبر تیار ہوگئی، اور وہ وقت بھی آگیا کہ فقط اس ذات پاک کا نام اور اس کے کام باقی رہ جائیں۔ نماز جنازہ ادا ہوئی۔ اور وہ جان فدا کرنے والے جو عاشق زار اس صیدٔ کے تھے۔ میت کی نماز پڑھنے لگے۔ اور سیدہ نے جس دل سے باچشم گریاں رسول اللہ کو سپرد خاک کیا۔ اس کی کیفیت کا اظہار کم از کم ہمارے قلم سے ناممکن ہے۔

تدفین کے بعد خلافت کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ رسول اکرم نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ فرمایا تھا۔ اس لئے خلافت میں مسلمانوں نے اختلاف کیا اور مختلف گروہ مختلف خیال ظاہر کرنے لگے۔ یہ بحث ہمارے مضمون سے متعلق نہیں ہے۔ ہم اس کو نظرانداز کرتے ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ باوجود اس علم وحلم کے جو حضرت علی کا مخصوص حصہ تھا باوجود اس فضیلت کے جس کا اعتراف رسول اکرم نے بارہا فرمایا باوجود اس شجاعت وجرأت کے جو کفار کے مقابلہ میں ان سے ہمیشہ ظاہر ہوئی باوجود ان خدمات وایثار کے جو انہوں نے اسلام کے لئے کیں باوجود اس اعزاز کے کہ بچوں میں سب سے پہلے مسلمان تھے۔ صرف اس وجہ سے کہ سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے شوہر تھے باوجود کمسنی اور ناتجربہ کاری کے انتخاب خلافت میں ان کا نام پیش کیا گیا اور ایک گروہ نے

علی الاعلان یہ کہہ دیا کہ حضرت علی کا حق شوہر سیدہ ہونے کے سبب کسی سے کم نہیں ہے اس بحث کو مختلف لوگوں نے طرح طرح سے طے کرنے کی کوشش کی۔ مگر الزہرا کو اس سے کوئی خاص واسطہ نہیں ہے۔ بہرحال حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب ہوا۔ اور وہ خلیفہ اول مقرر کئے گئے۔

فراق پدری | سیدہ کی حالت روز بروز ابتر ہو رہی تھی۔ اور کوئی لمحہ ایسا نہ جاتا تھا کہ وہ فراق پدری میں بےچین نہ رہتی ہوں۔ خلیفہ اول اور حضرت علی ان کی دلجوئی میں کسر نہ کرتے۔ مگر وہ کسی وقت اس صدمہ کو نہ بھولتیں۔

کس کا گھر، اور کہاں کا شوہر، کیسے بچے۔ اور کدھر کی زندگی۔ ان کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ رات دن مزار مبارک پر بیٹھی آنسو بہاتیں۔ اور جب نیند کا غلبہ ہوتا تو وہیں باپ کی پائینتی پڑ رہتیں۔ حسنین روٹی لیجاتے تو وہیں تھوڑا بہت کھالیتیں۔ حضرت علی تشریف لیجاتے تسکین دیتے تو ان کے ساتھ گھر آجاتیں۔ مگر جب دل میں ہوک اٹھتی اور رسول کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی۔ تو بیتاب ہو کر دیوانہ وار مزار مبارک پر گرتیں روتیں اور کہتیں۔

آج میرا باپ مجھ سے جدا ہو گیا۔ وہ شمع جس نے عرب کے جنگل روشن کر دئے گل ہو گئی۔ اب دنیا کی مصیبتیں میرے سامنے ہیں۔ اور میں بن ماں کی بچی فاطمہ اس وقت باپ کے فراق میں رو رہی ہوں۔

قیامت خیز تھی وہ رات جس نے میرے سر پر مصیبت کا پہاڑ ڈھا دیا۔ میری زندگی بُری ہے۔ جو اس صدمہ سے بھی ختم نہ ہوئی۔

میرے باپ کی روح پرواز کر گئی۔ مگر جسم اطہر اس خاک کے اندر زندہ ہے۔ اور میری حالت دیکھ رہا ہے۔

اے خدا کے سچے رسول میری دعا پر آمین کہہ۔ الہ العالمین مصیبت زدہ بیٹی کو اسکے

باپ سے ملا دے۔ اور اس کی آنکھیں روشن کر۔

مزار مقدس کی خاک پاک سیدہ کا اوڑھنا اور بچھونا تھا۔ آدھی آدھی رات اسی طرح بسر ہو جاتی، اور ان کا دل نہ سنبھلتا کبھی حسن کو دیکھ کر رو دیتیں۔ اور کبھی حسین کو گود میں لے کر بلبلاتیں اور کہتیں۔

حسنین تمہارے نانا خدا کے سچے رسول مجھ کو چھوڑ گئے۔ وہ یہاں زندہ ہیں۔ مگر حسنین تمہاری ماں مر گئی اور مدینہ اُجڑ گیا۔

ملا حسین شیرازی لکھ رہا ہے کہ ایک رات اسی طرح ماہی بے آب کی طرح فراق پدری میں تڑپتے تڑپتے مزار مبارک سے لپٹے ہوئے سیدہ کو نیند آگئی تو کیا دیکھتی ہیں کہ رسول اکرم تشریف لائے۔ اپنے دست مبارک سے بچھڑی ہوئی بچی کے چہرے سے خاک پونچھی۔ پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور رو کر فرمایا۔

میری جان! میں خود تجھ سے ملنے کا منتظر ہوں۔ فاطمہ جنت تیرا انتظار کر رہی ہے۔ خوش ہو جا کہ جلد مجھ سے ملیگی۔ خدا سے دعا کر کہ وہ تیری تکلیفوں کا خاتمہ کر دے۔

سرور کائنات کا چہرۂ اقدس نظر آنا تھا کہ سیدہ فرط محبت سے بیتاب ہو کر اُٹھ بیٹھیں اور چاروں طرف دیکھنے لگیں کہ شاید حضور اکرم نظر آجائیں۔ اس وقت دل کی حالت بہت خراب تھی۔ کلیجہ نکلا پڑ رہا تھا۔ اور جس صورت کے فراق نے خاک میں ملا دیا تھا۔ کہیں نظر نہ آتی تھی۔ کلیجہ مسوس کر رہ گئیں۔ مٹی کے ڈھیر کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی طرف جھکیں اور لپٹ گئیں۔ آنسوؤں کا دریا آنکھ سے بہہ رہا تھا۔ دنیا عالم خواب میں تھی اور رسول زادی اپنے باپ کی یاد میں مزار اقدس پر آنسو کے قطرے گرا رہی تھی اُٹھکر وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد دعا کی کہ الہ العالمین تیرے رسول کا فراق تیرے لئے نعمت اور میرے لئے مصیبت ہے۔ فاطمہ تیری کنیز تیری درگاہ سے مایوس نہیں ہوئی تو میرے دل کی کیفیت دیکھ رہا ہے۔ میں بیتاب ہوں اور اس صدمہ نے میری

جان پر بنا دی ہے۔ رحم کر اور لے دونوں جہان کے بادشاہ مجھکو میرے باپ سے ملا دے۔

رسالتماب کی رحلت پر ابوسفیان نے جو مرثیہ لکھا ہے۔ اس میں وہ اپنے حزن و ملال اور اس فراق کی حالت کو لکھتے ہوئے سیدہ کے رنج کو ان الفاظ میں ادا کر رہے ہیں۔ فاطمہ جس قدر غمگین ہوں کم ہے۔ مگر وہ خوش ہو سکتی ہیں کہ انکے باپ دنیا کے رہنما تھے۔

منافقوں کی شرارت

ہم اس تکلیف کا ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے۔ جو بی بی فاطمہ کو سرور عالم کی رحلت سے پہنچی رنج اور خوشی انسانی زندگی کے لوازم ہیں۔ مگر خوش ہونا تو در کنار اُن کے چہرے پر باپ کے بعد کبھی مسکراہٹ تک نہ آئی۔ بیٹے بیٹیاں۔ شوہر۔ گھر، سب ہی سامان موجود تھے۔ اور انسان کا دل بہلانے کو یہی سامان ہوا کرتے ہیں۔ مگر ان کی حالت رسول اکرم کی رحلت سے اپنی رحلت تک روز بروز اور لمحہ بہ لمحہ بگڑتی گئی۔ روتی پکارہی ہیں۔ پکاتے پکاتے دفعتہً سرور عالم کا خیال آگیا۔ اور آنسو نکل پڑے بچوں کے کپڑے سی رہی ہیں۔ اور سیتے سیتے جہاں اس پاک ذات کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھری ایک ٹھنڈا سانس بھر کر ساکت ہو گئیں جنسین بچے تھے۔ حضرت علی نے سمجھانے میں تسکین دینے میں دلدہی میں کسی طرح کمی نہ کی۔ مگر وہ پھانس جو چبھو چکی تھی نہ نکلی۔ اور جو زخم اندر ہی اندر بڑھ رہا تھا کسی طرح نہ پھوٹا۔

ہر زمانہ اور ہر قوم میں ایسے اشخاص کا وجود ہوتا ہے۔ جن کا نصب العین محض دو آدمیوں کو بھڑا کر سیر دیکھنا ہو، عرب میں ایسی کیا خصوصیت تھی کہ وہ ان افراد کی ہستی سے محروم رہتا، ان لوگوں نے اپنی کارستانی تو رسول اللہ کی زندگی ہی میں شروع کر دی تھی۔ اور یہاں تک غضب ڈھا دیا تھا کہ رسول اللہ حالت نزع میں ہیں اور یہ حضرت علی سے کہہ رہے ہیں کہ دیکھو! خلافت کے قصے کو طے کر لو، ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے۔ مگر وہ تو حضرت علی

لہ نعوذ باللہ حضرت عباس سے مراد نہیں ہے۔ حضرت عباس نے تو اچھی نیت سے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ لیکن ان کے علاوہ بھی کچھ لوگ تھے۔ جو محض لڑوانے کے لئے یہ تحریک کر رہے تھے۔

کی دانشمندی، خلوص اور عشق رسول تھا جس نے ان کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ جب وہ موقعہ ہاتھ سے نکل گیا۔ تو ظالم اب پھر تاک میں رہے کہ کسی طرح کوئی نہ کوئی جھگڑا کھڑا کردیں۔ وہی لوگ ہیں جو بظاہر مسلمان تھے اور دل میں مشرکوں سے بدتر۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو سیدہ جیسی معصوم وصابر وشاکر بی بی کو بھڑکانا اور تکلیف پہنچا کر تماشہ دیکھنا ایک ایسا فعل ہے کہ جس سے زیادہ ظلم جس سے بڑھ کر سنگدلی جس سے بدتر وحشیانہ حرکت کا امکان نہیں، جو بی بی خود ہی مر رہی ہو جس کو خود دنیا سے نفرت ہو۔ جو ہر وقت دنیا سے چلنے کے واسطے تیار۔ اور باپ کے ہجر میں اس قدر بیقرار ہو کہ ساری ساری رات قبر پر پڑی روتی رہے۔ اس کا تماشہ دیکھنا۔ ان ظالموں سے کم نہیں ہے جنھوں نے فاطمہ کے لال کو میدان کربلا میں تڑپتے دیکھا جنھوں نے اہلبیت رسول کو۔ زینب وصغریٰ کو بے برقع و چادر یزید کے دربار میں دیکھا۔

وہ بی بی جو اس حالت میں نہیں۔ اس سے پہلے اس وقت جب باپ زندہ شوہر موجود بچے موجود۔ اس درجہ ایثار کرے کہ متواتر فاقے ہوں۔ دو دو تین تین وقت اڑکر ایک دانہ منہ میں نہ جائے۔ اور بے زبان بچوں کو کلیجہ سے لپٹا کر یاد الٰہی میں صبح کردے۔ اور پھر جو کچھ میسر آجائے وہ بھی سائل سے عزیز نہ رکھے۔ پانچ وقت کے بعد پکی پکائی روٹی اور تیار ہوا کھانا ان معصوم آنکھوں کے سامنے سے اٹھا کر خدا کی راہ میں دے۔ اس سے یہ توقع رکھنی کہ وہ دنیا کی فانی جائداد اور املاک پر نظر ڈالے۔ "نعوذ باللہ من شرور انفسنا"۔ فدک کی ابتدا ان ہی کم بختوں سے ہوئی جنھوں نے بھولی بھالی سیدانی اور سیدھی سادی بنت الرسول کو بہکا کر فدک کے دعوے پر آمادہ کردیا۔ اور امیر علیہ السلام کو بھی باڑ پر چڑھا لیا۔

فدک | اس سے پہلے کہ ہم فدک کی بحث شروع کریں۔ یہ کہدینا ضروری ہے کہ بعض علماء اہل سنن ہبۂ فدک کے دعوے کو تسلیم کرنے میں متامل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سیدہ نے ہبہ

فدک کا دعویٰ دائر نہیں کیا۔ لیکن میراث فدک کا دعویٰ حضرت سیدہ کی طرف سے خلیفہ اول کے سامنے دائر ہوا۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں اس دعوے سے ہرگز ہرگز حضرت سیدہ کی شان میں فرق نہیں آتا۔ فدک کے دعوے میں حضرت سیدہ کی کسی ذاتی خواہش کو دخل نہ تھا۔ نہ انکی حالت اس قابل تھی کہ دخل ہو سکتا۔ وہ دنیا اور کائنات دنیا سے متنفر ہو گئی تھیں۔ ان کو اگر زندگی میں کوئی کام تھا تو صرف وصال پدر۔ باقی ہر چیز ہیچ اور بے سود۔ دعوے فدک دائر ہوا اور یہ ان ہی مفسدوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا، جو رسول اللہ کی حالت مرض ہی سے اس فکر میں تھے۔ اور اب اس صورت میں ظاہر ہوا۔

فدک درحقیقت ایک موضع ہے۔ جو خیبر سے ایک منزل اور مدینہ سے دو ڈہائی روز کا رستہ ہے۔ جس میں کچھ کھجور کے درخت اور چشمے تھے۔ جو خدا نے اپنے پیغمبر پر فے[1] کیا تھا۔ ہجرت کے ساتویں سال یہ گاؤں سرور کائنات کے پاس آیا۔ جب خیبر فتح ہو چکا اور مسلمان قابض ہو گئے تو باشندگان فدک کو جو یہودی تھے اندیشہ ہوا کہ اگر مسلمانوں نے فدک پر حملہ کیا تو فتح ضرور کر لیں گے۔ لیکن خواہ مخواہ خونریزی ہوگی۔ اور جانیں ضائع ہوں گی۔ بہتر یہ ہوگا کہ ہم خود ہی مسلمانوں سے اس کے متعلق گفتگو کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا پیغام سرور عالم کی خدمت میں بھیجا۔ ان کا سردار یوشع بن نون تھا۔ جس کی طرف سے قاصد نے جا کر کہا کہ آپ نصف فدک منظور فرمائیے۔ اور ہم سے تعرض نہ کیجئے۔ چنانچہ آپ نے یہ درخواست منظور فرمائی، وہ لوگ بدستور رہنے لگے سال کے ختم پر سرور دو عالم اپنے آدمی بھیجدیتے تھے۔ اور جو کچھ غلہ یہاں سے ملتا تھا وہ اپنے اہل وعیال کے واسطے رکھ کر باقی مسافروں کے واسطے دے دیتے تھے۔ جو ان کی مہمان نوازی میں صرف ہوتا تھا۔

---

[1] فے کے معنی اس مال کے ہیں جو بغیر کسی لڑائی بھڑائی کے خدا مسلمانوں کے مخالفین سے دلا دے چنانچہ فدک بھی فے تھا جو رسول اکرم کو ملا۔

چونکہ رسول اللہ نے فدک کو اپنے واسطے مخصوص کر دیا تھا۔ اور اپنے اہل و عیال کے واسطے اناج رکھہ کر جو بچتا تھا۔ وہ ان مسافروں پر صرف فرما دیتے تھے۔ جو اسلام کے سلسلہ میں آتے تھے۔ اس لئے لوگوں نے حضرت سیدہ سے یہ کہا کہ فدک رسول اللہ کی ذاتی ملکیت ہے۔ اور اس کی جائز وارث آپ ہیں۔ آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا وارث نہیں ہو سکتا۔

خلیفہ اول نے سیدہ سے کہا کہ بنت رسول اللہ آپ کا دعوئی میراث حق بجانب نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاء کا ورثہ نہیں ہوتا۔ آپ کو خود رسول اکرم کے الفاظ یاد ہونگے اور آپ نے صریح الفاظ میں فرما دیا ہے لا یورث نحن الانبیاء۔

رسول اللہ کی پاک زندگی کی حالت جاننے والے اچھی طرح واقف ہیں کہ آپکا کوئی قول کوئی فعل ایسا نہ تھا جو مسلمانوں سے پوشیدہ ہو۔ یہ تو وہ وقت تھا کہ اگر ذرا کسی کی طبیعت کے خلاف آپ کی زبان مبارک سے کوئی لفظ نکلا یا شبہ کی گنجائش ہوئی تو فوراً اڑ گیا۔ اور جب تک تشفی نہ ہوئی آگے نہ بڑھا۔ جب عام مسلمانوں کی یہ کیفیت تھی تو سیدہ جو جگر گوشۂ رسول تھیں کس طرح رسول اللہ کے ارشاد سے غافل ہوتیں یا لاعلم ہوتیں مگر خدا سمجھے ان مفسدوں اور سب سے زیادہ جعفر ابن نصیر سے جنھوں نے معاملہ کو یہاں تک پہنچا دیا۔ خلیفہ اول کا یہ ارشاد سیدہ کے واسطے بہت کافی تھا۔ باپ کا نام سنتے ہی ان کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ خاموش ہو گئیں۔

تصفیہ فدک | جو بیج صدیوں سے پرورش پاتے پاتے آج اتنا گھندار درخت بنگیا ہے کہ اس کے کانٹے رستہ چلتوں کے کپڑے پھاڑ رہے ہیں۔ اس کا اکھاڑنا تو درکنار اکھاڑنے کی کوشش اور خیال بھی ایک غلطی ہے۔ لیکن اہل تشیع کے عقائد میں بعض باتیں ایسی بھی معلوم ہوتی ہیں، جو اگر سچ سمجھ لی جائیں تو کم از کم سیدۃ النساء کی اس شان کی جو ہمارے ذہن میں اس پاک بی بی کی ہے۔ ضرور منافی ہیں۔ اُنکا خیال ہے کہ سیدۃ النساء

کو خلیفہ اول سے پہلے تو ان کی خلافت ہی سے رنج پہنچا تھا۔ کیونکہ یہ امیر علیہ السلام کا حق تھا
اس کے بعد دعوئے فدک کے خارج ہونے کا اتنا صدمہ ہوا کہ علی الاعلان انہوں نے
خلیفہ اول کو برا بھلا کہا۔ حضرت عمر سے ہشت مشت ہوئی۔ امیر علیہ السلام تمام رات اُن
کو لئے ہوئے انصار اور مہاجرین کے پاس در در پھرتے رہے۔ اور سب نے یہی جواب
دیا کہ اب تو ہم مجبور ہیں۔ بیعت کر چکے۔ اگر آپ پہلے فرماتے تو ہم ان کے ہاتھ پر
بیعت ہی نہ کرتے۔

ان کی بعض کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پہلے دعوئے ہبہ کیا تھا جس پر خلیفہ
اول نے شہادت طلب کی۔ چنانچہ حضرت علی ام ایمن، اور حسنین علیہم السلام کو انہوں نے
پیش کیا۔ لیکن خلیفہ اول نے حضرت علی کی شہادت اس لئے کہ وہ سیدہ کے شوہر ہیں
نامنظور کر دی۔ اور یہ کہہ کر کہ شہادت کا نصاب پورا نہیں ہوتا۔ دعوئے خارج کر دیا۔
یہ کچھ انسان کی سرشت ہی معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی شخص نے کوئی نمایاں کام شروع
کیا یا وہ ممتاز ہوا تو اس کی کوئی ادا دوسروں کو نہیں بھاتی۔ پہلے اس کے کاموں
میں نکتہ چینی ہوتی ہے۔ اس سے کام بن گیا۔ اور وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ تو نہا ورنہ کھلم کھلا
مخالفت کی، اور اگر زندگی میں کچھ حاصل نہ ہوا تو کم از کم مرنے کے بعد اپنی ایسی یادگار
چھوڑ دی کہ دنیا آسانی سے کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرلے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کو لیجئے۔ یہودی کیا کہتے ہیں۔ خود ان کی بابت ان کی مقدس اور بزرگ ماں مریم
کی بابت ان کے حوارین کی بابت عیسائی ہیں وہ رسول اکرم کی بابت کیا کچھ نہیں کہتے۔
ان کی تعلیم و تلقین کے متعلق ان کی زندگی کے متعلق ان کے اعیان و انصار کے متعلق
مسلمانوں ہی کے اس گروہ کو لے لو۔ جو خوارج و نواصب کے نام سے مشہور ہے کہ اہلبیت
کی نسبت کیا عقیدہ رکھتا ہے ان پر تبرا عین نجات اور برا کہنا مغفرت قطعی۔ علامہ
شبلی مرحوم اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ ایک موقعہ پر ایک عورت بھرا ہوا

مطابق میرے سامنے لائی کہ یزید علیہ السلام کی نیاز دید و۔ ابن ملجم شقی کو جو امیر علیہ السلام کا قاتل تھا، قابل ستائش سمجھتے ہیں۔ اس کی شان میں قصیدے لکھے گئے۔ جو اب تک موجود ہیں، اس زمانہ کو چھوڑ کر موجودہ زمانہ پر نظر ڈالو۔ تو اب بھی یہ کلیہ حرف بحرف واقعیت کی میزان میں پورا اترے گا۔ مولانا عبد القادر۔ مولانا شاہ عبد العزیز۔ سید کون تھا۔ جو ہدف ملامت نہ بنا ہو۔ لیکن سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے مقابلہ میں ان کے خیر خواہ نادان دوست سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ اپنی لغو عقیدتمندی سے انکی ارفع واعلیٰ شان کو کم کر دیا۔ اور مابہ الامتیاز حسنات کو خاک میں ملا کر ہمارے ہی جیسا انسان بنا دیا!

قضیہ فدک پر ایک نظر | سب سے پہلی بات خلافت کے متعلق ہے کہ سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کو خلیفہ اول کی خلافت سے رنج پہنچا۔ اس لئے کہ انہوں نے خلیفہ ہو کر امیر علیہ السلام کی خلافت کو غصب کیا۔

یہاں دو باتیں پیدا ہوتی ہیں، اول یہ کہ خلیفہ اول نے خلافت کو قابل غصب سمجھا دوسرے سیدۃ النساء، اس مزاج کی بی بی تھیں کہ اس کے نہ ملنے سے انہوں نے رنج محسوس کیا۔

ہم جہانتک اس معاملہ پر غور کرتے ہیں ہم کو دونوں باتیں غلط معلوم ہوتی ہیں اس زمانہ کی خلافت بادشاہی نہیں ایک مصیبت تھی جو تمام ممکن ذمہ داریوں کا بوجھ خلیفۂ وقت کی گردن پر رکھ دیتی تھی۔ خلیفۂ اول کے امکان میں جہاں تک تھا انہوں نے اس سے گریز کرنا چاہا۔ خود وہی لوگ جو معترض ہیں اس انکار کے معترف ہیں۔ دوسری بات کہ سیدہ ناخوش ہوئیں افسوس اس سے بھی ہم کو اتفاق نہیں جناب ... لکھ رہا ہے کہ جوں ہی امیر علیہ السلام کو خلیفہ اول کی خلافت اور بیعت کی خبر ہوئی حضرت علی نے فوراً بیعت کر لی۔ اگر ہم اس کو بھی نہ مانیں تو وہ خلافت ایسی نعمت نہ تھی کہ امیر و سیدہ اس کے واسطے تڑپتے رہتے ہم اس کو اگر تسلیم کر لیں تو اس کے یہ معنی ہونگے

کہ ابو بکر صدیق یعنی وہ شخص جس کے احسانات سے باپ کی گردن دبی رہی جس کی خدمات کا باپ نے عمر بھر اعتراف کیا۔ باپ کی آنکھ بند ہوتے ہی ناپائیدار دنیا کی عارضی خوشی کے واسطے بیٹی اس سے ایسی فرنٹ ہو گئی کہ وہ بدو معمولی آدمیوں کی طرح لڑنے لگی۔

اس سلسلہ میں چار آدمی منسلک ہیں شیخینؓ، امیر علیہ السلام و سیدہ رضی اللہ عنہم ان چاروں کے حالات پر ایک سرسری نظر ڈال کر ہم اس بات کا پتہ لگاتے ہیں کہ یہ خیال کس حد تک درست ہے۔

ان الفاظ کے علاوہ جو سرور علام نے حضرت ابو بکر و عمر کی بابت فرمائے ان کے خطابات صدیق و فاروق کو چھوڑ کر ہم دیکھتے ہیں کہ دشمن اسلام جو بلحاظ عداوت اب بھی قریش سے کم نہیں، اس کے سوا چارہ نہیں دیکھتے کہ ان کے خلوص اور ایمانداری کا اقرار کریں۔ ایک غیر مسلم جس کو اسلام سے پوری عداوت ہے یوں لکھتا ہے۔

چاروں خلفا کے اطوار صاف اور یکساں ضرب المثل تھے۔ ان کی کوششیں اور انہماک خلوص سے لبریز تھا۔ انہوں نے با اختیار ہونے کے بعد اور عزت و ثروت پر بھی اخلاقی اور مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ اور یہی لوگ محمدؐ کے ابتدائی مشوروں میں شریک تھے۔ سر ولیم میور جو تعلق اسلام کی وجہ سے پڑھے لکھے مسلمانوں میں خصوصیت سے مشہور رہیں۔ لکھتے ہیں کہ

آخری دم تک ابو بکر کا دماغ، ان کے خیالات اور عقائد قلب تبدیل نہ ہوئی بیت المال میں سے جو رقم لوگوں کے اصرار سے وقتاً فوقتاً لینی پڑی وقت مرگ وہ تمام اپنی جائداد فروخت کر کے واپس کر دینے کی وصیت فرما دی۔ تاکہ مسلمان اپنے روپے سے محروم نہ رہیں۔ اور ان کا روپیہ خلیفہ وقت کے کام نہ آئے۔ عدالت حضرت عمر کے سپرد تھی۔ کتابت حضرت علی کے۔ ہر معاملہ میں حضرت عمر اور حضرت علی سے مشورہ ضرور کر لیتے تھے۔

خلیفہ اول کے ان حالات کا یقین کرنے کے بعد جو مسلم ہیں اور سیدۃ النساء کی اس طبیعت سے واقف ہو کر جو اوپر بیان ہوئی، کون کہہ سکتا ہے کہ معاملہ کی نوبت یہاں تک پہنچ سکتی تھی، جیسا کہ سمجھا جاتا ہے، جو شخص ایک جانور کو دیکھکر روئے اور یہ کہے کہ یہ مجھ سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس لئے کہ عاقبت سے محفوظ ہے اور شب و روز اس خوف سے لرزا کرے کہ دیکھئے بعد موت حساب کتاب کے وقت کیا گزرے گی۔ اس سے اتنا بڑا ارتکاب کہ کسی معمولی آدمی کو بھی نہیں۔ بنت الرسول کو حق جائز سے محروم کر دے۔ ہمارے قیاس میں نہیں آتا۔ خلیفہ دوم یعنی عمر وہ شخص جس کی بابت دشمن اسلام یہ کہے کہ عمر وہ شخص تھا کہ جس کے فیصلہ میں کبھی پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ کس طرح مان لیا جائے کہ رسول زادی کی توہین نہیں، اتنا مارا اور پیٹا کہ حمل ساقط ہو گیا۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے اور اپنے زمانہ خلافت میں ایک روز رات کیوقت گلیوں میں پھر رہے تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا مسجدیں بقعۂ نور بنی ہوئی تھیں بیساختہ کہنے لگے خدا عمر کی قبر کو ایسا ہی روشن کرے۔ جیسا وہ خدا کے گھر کو روشن کر گئے۔ اب ہم اصلی معاملہ پر ذرا نظر ڈال لیں کہ آیا رسول اللہ سے یہ ممکن تھا کہ وہ فدک سیدہ کو دیدیں۔ اس سلسلہ میں ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جس وقت فدک سرور کائنات نے اپنی بیٹی کو دیا، اس وقت اسلام کی مالی حالت کیا تھی آیا اشاعت اسلام ایلچیوں کے مصارف۔ مہمانوں کے قیام، غیر مسلموں کے حملوں وغیرہ وغیرہ کے لئے روپیہ کی جو ضرورتیں ہوتی تھیں۔ اور اگر فو دیہ ضرورتیں بآسانی پوری نہ ہو سکتیں تھیں تو کیا محمد رسول اللہ کی رسالت سے یہ ممکن تھا کہ وہ بیٹی کو ۲۴ یا ستر ہزار کی آمدنی کی جائداد دیدیتے۔ اور اسلام کی مطلق پرواہ نہ کرتے۔ فدک ہجرت کے ساتویں برس رسول اللہ کے قبضہ میں آیا ہے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے کہ مسلمان پیٹ بھر کر روٹی بھی نہ کھا سکتے تھے۔ ان دنوں میں رسول اکرم نے متواتر فاقے کئے ہیں۔ پیٹ پر پتھر باندھے

ہیں۔ بال بچے روٹی کے نام کو ترستے اور ایک جو کا دانہ اڑ کر منہ میں نہ جاتا۔ دشمن ہر طرف سے نرغہ کئے ہوئے تھے۔ ایلچیوں کا تار بندھا ہوا تھا۔ جہاد کی ضرورت ہر لمحہ آنکھ کے سامنے درپیش تھی۔ اور آلات حرب کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی تھیں۔ ایسے نازک زمانہ میں خدا کی طرف سے مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی تھی، کہ وہ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کریں لوگ خود فاقہ کرتے بچوں کو بھوکا رکھتے۔ اور اپنا مال فی سبیل اللہ رسول کے سامنے لاکر رکھتے۔ اور ضرورتیں پوری نہ ہوتیں۔ رسالتمآب ایک ایک کا منہ تکتے اور خدا کا شکر کرتے۔ ایسے مواقع جس شخص کے سامنے ہوں۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا اسلام کا عاشق ہو، جس شخص کو اسلام اور اسلام کی دُھن کے آگے دنیا کی ہر شے ہیچ معلوم ہوتی ہو۔ اس سے یہ توقع رکھنا۔ اور اس بات کو سچ سمجھنا کہ اس نے چوبیس ہزار یا ستر ہزار کی جائداد الگ اپنی بیٹی کو دیدی۔ رسول اللہ کی رسالت کے متعلق کیا بتاتا ہے۔ اور غیر مسلم اس سے کس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ جو اصل مقصد اس کی زندگی کا ہے وہ پورا نہ ہو۔ اسلام خطرہ میں پڑا رہے اور ایک ایک پیسہ کو ترسے اور رسول اللہ فدک سیدہ کو دیدیں۔ اور باقی تمام عزیز و اقارب کو محروم کر دیں۔ توبہ توبہ۔ وہ پاک ذات جو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجی گئی۔ جس کو اپنے نمونہ سے اہل دنیا کو زندگی کا سبق دینا تھا۔ جس کو بتانا تھا کہ دنیا اور دنیا کی زندگی کیا ہے۔ جس کو زندگی سکھلانی تھی۔ اس سے ایسا فعل، نعوذ باللہ اور اس وقت کے مسلمان جن میں نئے نئے لوگ تھے۔ جن کا ذرا سے شبہ پر مرتد ہو جانا ممکن تھا۔ اس ایک فدک کے معاملہ سے کیا کچھ نہ کر گزرتے اور اسلام پر کیسے ثابت قدم رہتے۔ اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی پیش نظر رہے کہ سیدہ جیسی محترم بیوی جو رسول اکرم جیسے باپ کی بیٹی تھی۔ اس کو روا رکھتی کہ تمام عزیز محروم رہیں اور عزیز بھی وہ جن کی عظمت اور خدمت کا خدا معترف ہو۔ اور خود فدک کی مالک ہو جائے۔

اگر یہ فدک کا مسئلہ صحیح سمجھ لیا جائے تو اسلام پر حرف آتا ہے، رسول کی شان ایسے رکیک فعل سے بہت ارفع واعلیٰ تھی۔ اور ہرگز ہرگز ایسا فعل ان سے سرزد نہ ہوسکتا تھا۔ کتب اہل تشیع ثابت کررہی ہیں کہ غزوۂ آخر غزوۂ تبوک تھا۔ اور یہ وہ موقعہ ہے کہ افلاس وعسرت کی وجہ سے اس کا نام جیش العسرۃ مشہور ہے۔ چونکہ رسول اللہ کے پاس اس غزوہ کے واسطے سامان کافی نہ تھا۔ خدا کی طرف سے آیتیں نازل ہونی شروع ہوئیں مسلمانوں نے مدد دی۔ مگر یہ کافی نہ ہوسکی تھی۔ اس لئے اس آیتہ کا نزول ہوا۔

انفروا خفافاً وثقالاً وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اس آیت کا نازل ہونا تھا کہ مسلمان فوراً اٹھے اور جس کے پلے تھا۔ لاکر حاضر کرنا شروع کیا۔ حضرت عمر اپنا نصف مال لے آئے۔ ابوبکر تمام۔ عبد الرحمٰن بن عوف عباس بن عبد المطلب، طلحہ بن عبد اللہ۔ سعد بن عبادہ محمد بن سلمہ۔ غرض اپنی اپنی حیثیت کے موافق جو جس سے بن پڑا لے آیا۔ یہانتک نوبت پہنچی کہ جن کے پاس نقد نہ تھا۔ انہوں نے کھانے پینے کی چیزیں حاضر کیں۔ عاصم بن عدی نے سو وسق خرمے۔ ابوعقیل انصاری نے سوا سیر چھوہارے۔ اور یہ وہ چھوہارے تھے۔ جن کو رسول نے سب سے اوپر رکھا۔ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود تھے۔ جن کی جانیں اپنے رسول پر سے قربان اور اسلام پر فدا تھیں۔ مگر روپیہ پیسہ تو درکنار ایک وقت کا کھانا بھی میسر نہ تھا۔ روتے ہوئے آئے اور عرض کیا اے خدا کے سچے رسول ہمارے پاس سوا ہماری جانوں کے کچھ نہیں ہے۔ ہمیں سواری دیجئے کہ آپ کے ساتھ چلیں۔ اس پر سرور عالم نے فرمایا جو کچھ تم چاہتے ہو میرے پاس نہیں یہ لوگ رونے لگے۔ اور ان کی جماعت بکائین کی جماعت کہلاتی ہے۔ المختصر تیس ہزار مسلمانوں میں صرف ہزار سواریاں تھیں۔ باقی سب کے سب پیدل خدا کی راہ میں روانہ ہوگئے

یہ ایسا نازک سماں اور تنگی کا وقت تھا کہ لوگ روتے رہ جاتے تھے۔ اور سرور کائنات انکی آرزو بوجہ عسرت کے پوری نہ فرما سکتے تھے، یہ ابتدائی حالت نہ تھی۔ بلکہ ہمیشہ رسول اللہ کی مالی حالت ایسی ہی رہی۔ عمر کے سال آخر میں یعنی حجۃ الوداع کے بعد جب آپ مدینہ تشریف لائے ہیں تو امام جعفر صادق سے ایک حدیث منقول ہے۔ اور اہل تشیع کی مشہور کتاب کافی میں درج ہے کہ انصار نے آپ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ باہر سے قاصد آتے ہیں۔ آپ کے پاس کچھ نہیں۔ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم کچھ خدمت کریں۔ کیونکہ آپ کے اس افلاس پر دشمن ہنستے ہیں۔

ان واقعات سے بالکل صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی مالی حالت کیسی تھی۔ اور مسلمان کس تکلیف کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کیا ایسی حالت میں رسول اللہ کا یہ فعل کہ فدک سیدہ کو دیدیں وہ لوگ جائز سمجھ سکتے تھے۔ اور رسول اللہ کی مجبوری کو تسلیم کر سکتے تھے۔ علاوہ ان واقعات کے دو واقعے خود سیدہ کے ساتھ ایسے پیش آئے ہیں جو معاملہ کو قطعی فیصل کر رہے ہیں۔

صاحب قرب الاسناد، امام جعفر صادق کی روائت سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ امیر علیہ السلام اور سیدۃ النساء خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ کاروبار خانگی کی تقسیم فرما دی جائے۔ سرور عالم نے گھر کے اندر کا کام زہرا کے اور بازار کا تمام کام امیر کے متعلق طے کر دیا جس سے ظاہر ہے کہ کوئی نوکر یا خدمت گار موجود نہ تھا۔ صاحب علل الشرائع امیر علیہ السلام سے روایت کر رہا ہے کہ خانگی تکالیف سے اکتا کر سیدہ ایک موقع پر رسول اللہ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئیں کہ کوئی خادم طلب کریں۔ تاکہ پانی بھرنے مشکیں ڈہونے اور چکی پیسنے سے جسم پر جو نشان پڑ گئے ہیں اس مصیبت میں کچھ کمی ہو۔ سرور عالم نے یہ ضرورت سنکر فرمایا کہ میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو تم دو نو میاں بیوی کے حق میں خادم سے ہزار درجہ بہتر ہو تم روزانہ

یہ پڑہا کرو۔ اس واقعہ سے صریح ظاہر ہے کہ کبھی رسول اللہ نے یہ نہ چاہا کہ اپنی اولاد یا عزیزوں کا درجہ عام مسلمانوں سے زیادہ کردیں۔ اور ان کی آسائش کا خیال کسی حال میں رسول اللہ کو دوسروں سے زیادہ نہ تھا۔ درحقیقت وہ خلق خدا کو ایثار علی النفس سکھانے آئے تھے۔ کیا ایثار علی النفس کی تلقین کرنے والا انسان ایسا کرسکتا ہے کہ فدک اپنی بیٹی کو دیدے۔

صاحب عیون الاخبار امام زین العابدین سے روایت کررہے ہیں کہ اسماء بنت عمیس کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ نے سیدۃ النساء کے گلے میں سونے کا گلوبند دیکھا اور یہ امیر علیہ السلام نے ان کے لئے خریدا تھا۔ رسول اکرم نے دیکھکر فرمایا۔ کیوں فاطمہ لوگ تمہارا زیور دیکھکر یہ نہ کہیں گے کہ محمد کی بیٹی فاطمہ جابرہ یعنی مغرور امیروں کا سا زیور پہنتی ہے۔ اتنا سنتے ہی سیدہ نے اُسے توڑ ڈالا۔ اور بیچ کر ایک غلام خریدا۔ اور اسے راہِ خدا میں آزاد کردیا۔

زرارہ کافی میں امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر سیدہ نے دو کنگن چاندی کے بنوائے اور ایک پردہ اپنے دروازہ پر لٹکایا، سرور عالم سفر میں تھے جب واپس تشریف لائے تو سیدہ کے ہاں گئے۔ سیدہ ہشاش بشاش رسول اللہ کی طرف دوڑیں۔ رسول اللہ ہاتھوں میں کنگن اور پردہ دیکھکر بغیر تشریف رکھے واپس چلے گئے۔ سیدہ رونے لگیں۔ اور اسی وقت حسنین کو بلا کر ایک کو کنگن اور دوسرے کو پردہ دے کر فرمایا کہ جاؤ اور کہو آپ کی عدم موجودگی میں ہم نے یہ دو چیزیں بنائی ہیں اس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ حاضر ہیں۔ جو مناسب خیال فرمائیے وہ کیجئے۔ رسول اللہ نے دونوں بچوں کے منہ چوم لئے۔ گود میں بٹھایا اور حکم دیا کہ یہ دونوں چاندی کے کنگن توڑ دو اور اہل صفا کو جنکا کوئی گھر در نہ تھا اور مسجد نبوی میں پڑے رہتے تھے۔ بلا کر چاندی کے کنگنوں کی تقسیم کردی ان ہی لوگوں میں سے ایک کو جسکے پاس بدن ڈہانکنے کو چیتھڑا تک نہ تھا پردہ پھاڑ کر

ایک ٹکڑا دیدیا۔ اور جس قدر آدمی برہنہ تھے۔ سب کو اسی طرح ایک ٹکڑا دے کر فرمایا۔ خدا رحمت بھیجے فاطمہ پر اُن کو جنت کے حلّے دے۔ اس بخشش کے بدلے جو انہوں نے کی۔ اور اس پردے کے بدلے جس سے ننگے مسلمانوں کا بدن ڈھنکا، اور جنت کا زیور پہنائے ان کنگنوں کے بدلے جو انہوں نے عزبار کو تقسیم کئے۔

پھر ان واقعات کے بعد اب کون ایسا شخص ہوگا جو یہ یقین کر سکتا ہے کہ رسول اللہ نے ستر ہزار کی جاگیر اپنی بیٹی کو عطا کر دی ہو۔

اب ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ رسول اللہ کا انتقال ایسا صدمہ نہ تھا، جو سیدہ جیسی بیٹی بآسانی برداشت کر سکتی۔ یہ کہنا کہ ان کے ہوش و حواس میں اس واقعہ سے فرق آگیا۔ یقیناً غلط ہوگا۔ مگر یہ کہنا قرین قیاس ہوگا کہ یہ وقت وہ تھا جب ہر بات کا اثر ضرورت سے زیادہ ان کے مزاج پر ہو رہا تھا، وہ فراق پدری میں ہر شے کو فراموش کر چکی تھیں۔ اور اگر شب و روز ان کو کچھ کام تھا تو باپ کی یاد میں گریہ و زاری اُنکو نہ خلافت سے واسطہ تھا۔ نہ فدک سے۔ جو صدمہ سیدہ کو باپ کے انتقال سے پہنچا، وہ زائل تو کسی طرح نہ ہو سکتا تھا۔ خواہ مخواہ کی رخنہ اندازیاں اور دھڑے بندیاں جو مسلمانوں میں پیدا ہو گئیں۔ اور جس کی وجہ سے اسلام کو ناقابل برداشت نقصان اُٹھانا پڑا اور پڑ رہا ہے۔ سب بعد کے جھگڑے ہیں اور حضرت علی کی خلافت تک اُنکا مطلق پتہ نہ تھا، خلیفۂ اول کے علم و فضل ان کی اخوت و محبت اور سب سے زیادہ اُن کی اسلامی خدمات اور اس ہی کے قریب قریب شفقت رسول اللہ بحیثیت مجموعی ایسی صفات تھیں جو ایک انسان کو کامل چھوڑ اکمل بنا دیں۔

محی الدین ابن عربی ایک موقعہ پر لکھ رہے ہیں۔ اور ان کے اس خیال کی تائید خود اسلام کر رہا ہے کہ خلیفۂ اول کے ان احسانات کے علاوہ جس سے اسلام کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ انکا علم و فضل ان کا زہد و اتقا ان کی عبادت و ریاضت

اس حد تک پہنچ گئی تھی، اور دوران خلافت ہی میں نہیں بلکہ رسول اللہ کی حیات میں
کہ اگر چند روز رسول اللہ اور زندہ رہتے تو قریب آگیا تھا وہ وقت کہ حضرت ابوبکر
پردہ کرنے لگتے۔ باوجود اس حالت کے ان کو ہمیشہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں مجھ سے معاملہ
میں غلطی نہ ہو جائے۔

ایک روز اسی حالت میں وہ روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ پریشانی کا یہ عالم کہ کسی
سے بات نہ کرتے تھے۔ آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں بہ رہی تھیں عشق رسول کا وہ
عالم تھا کہ روضۂ اقدس کے روبرو آنکھ بند کئے کھڑے تھے۔ اور استغراق کی یہ کیفیت تھی
کہ صبح کا نکلا ہوا آفتاب سر پر سے گزر گیا۔ اور آفتاب بھی ہندوستان کا نہیں عرب کا۔
لیکن پاؤں نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی اور باوجود اس احساس کے جو انسانی ہستی مشکل
سے کر سکتی ہے۔ ایسی خلافت کے فرائض انجام دئے جس میں امیر المومنین کی وقعت ایک
معمولی مسلمان سے زیادہ نہ تھی۔ الحق صدیق ہی جیسے بشر کا کام تھا۔ ہبۂ فدک کے متعلق باوجود
ایسی زبردست دلائل اور احادیث کے جو پیش ہو رہی ہیں، ہمارے دل کو بھی نہیں لگتا،
ورنہ انگلی ٹکانے کی بھی گنجائش ہوتی تو ہم سیدہ کے لئے پوری ٹیک دیتے۔ اس لئے ہم
یقیناً یہ نہ کہیں گے کہ فدک کے معاملہ میں سیدہ کو کوئی رنج پہنچا۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا جیسی
خاتون جو باوجود امکان کے کبھی کبھی چار سیر آٹے یا دو سیر کھجوروں کی بھی مالک نہ رہی۔
ہزاروں درہم و دینار کی فطرتاً مالک بن ہی نہ سکتی تھی۔ قیاس میں نہیں آتا کہ نادان
دوست کیوں ایسی عظیم الشان زندگی کو حرص دنیا سے ملوث کرتے ہیں۔

اگر سیدہ اس خلافت سے ناخوش ہوتیں تو جب انہوں نے خود یہ کہدیا تھا کہ
دوسرا خلیفہ منتخب کرلو۔ میں اس قابل نہیں ہوں تو مسلمان بنت الرسول کے رنج سے
تغافل کرنے والے نہ تھے۔

حضرت ابوبکر نے علی الاعلان یہ کہدیا تھا کہ خلافت سے میں خوش نہیں۔ دوسرا

لیفہ مقرر کر لو۔ بڑے بڑے دور اندیش اچھے اچھے مبصر بڈھے بڈھے تجربہ کار موجود
تھے اور یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے رسول اللہ کے چہرۂ اقدس کی زیارت ہی نہیں بلکہ
رگراں خدمت کی تھی۔ اسلام کے سچے عاشق اور عشق بھی کیسا فنا فی الاسلام ایک صدیق
یک فاروق کیا ان کے سامنے تو فرشتہ بھی اسلام کے برخلاف ایسی بات کہتا کہ ان کے
دل کو نہ لگتی تو تسلیم نہ کرتے۔ لاکھ خلیفہ اول نے بچھا چھڑانا چاہا مگر موقع اتنا نازک اور
ہ گ لیسے کھرتل دور اندیش سمجھدار اسلام کے نام پر پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار۔ وہ
سنتے کس کی اور سمجھتے کس کو۔ مگر بعض آدمی ایسے موجود تھے، جو اسلام کی وقعت کو خاک نہ
سمجھتے تھے۔ ہاں یہ ضرور سمجھتے تھے کہ اسلام بھی رسول اللہ کی ملکیت ہے۔ اور بیٹی داماد
کے ہوتے دوسرا اسکا حقدار نہیں ہوسکتا۔ لیکن خود سیدۃ النساء کے دل میں اسکا خیال کبھی پیدا نہ ہوا۔
خلیفۂ اول سیدہ کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہے۔ اور ان کے بعد حضرت
عمر خلیفہ ہوئے۔

گو یہ بحث ہمارے موضوع سے متعلق نہ ہو۔ مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خلیفہ دوم کے عہد میں
حضرت علی ان کے ساتھ شیر و شکر تھے۔ انہوں نے ہمیشہ خلافت فاروقی کو عزت کی نگاہ سے
دیکھا۔ حضرت علی کے بعد یہ دھڑے بندیاں اور اختلاف جو آج سنی و شیعہ کی صورتوں
میں ظاہر ہو رہا ہے۔ شروع ہوا۔ مگر خلافت شیخین کو اس سے مطلق واسطہ نہیں ہے۔ خلیفہ
دوم نے حسنین علیہ السلام اور امیر علیہ السلام کا امتیاز تا دم واپسیں قائم رکھا۔ اور باوجود
اور کسی معاملہ میں عمر بھر رد رعایت نہ کرنے کے اہل بیت کے اعزاز میں فرق نہ آنے دیا۔ حسنین
علیہا السلام کی وقعت جتنی توقع ہو سکتی تھی۔ اس سے زیادہ کی، یزدجرد کی بھانجی نوشیرواں
کی پوتی۔ شہربانو جب گرفتار ہو کر پیش کی گئی ہے۔ وہ جو پوشاک اس کے جسم پر تھی وہ مال
غنیمت میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کی گئی۔ کئی ہزار درہم کی تھی۔ مال تقسیم ہونے کے بعد جب
شاہزادی کی تقسیم کا وقت آیا ہے۔ تو ہر متنفس بیتاب تھا۔ کہ دیکھیے شہربانو کس کے حصہ

میں آتی ہے۔ خلیفہ دوم نے اس کے احترام کو ملحوظ رکھ کر فرمایا، تم دنیا کی شہزادی تھیں۔ آج سے میں تم کو دین کے شہزادے کے سپرد کرتا ہوں۔ یعنی امام حسین علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔ یہ وہی شہربانو ہیں جو میدان کربلا میں امام عالی مقام کے ساتھ تھیں۔

مختصر یہ ہے کہ از ابتدا تا انتہا ہم کو تو کوئی بات صدیق اکبر کی لڑائی جھگڑے کی نظر نہیں آتی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اخیر وقت تک ناخوش رہیں۔ اور ایسی کہ مرتے دم تک بات نہ کی۔ جنازے پر نہ آنے دیا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں جو سمجھے جا رہے ہیں۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ سیدہ کے مزاج میں شرم و حیا بدرجہ غایت تھی۔ انہوں نے واقعی اپنے جنازے پر کسی کو نہ آنے دیا۔ لیکن کسی سے مطلب شیخین سے نہیں۔ بلکہ ہر نامحرم شخص سے ہے۔ انہوں نے وصیت کر دی تھی کہ میرے جنازے کو کوئی غیر شخص ہاتھ نہ لگائے اور نہ کسی کی نظر میری میت پر پڑے۔

آپ کے بعد اگر کوئی دل خوش کرنیوالا خیال تھا تو صرف وہ الفاظ جو آپ نے سیدہ کے اضطراب میں آخر وقت فرمائے تھے کہ فاطمہ سب سے پہلے مجھ سے تم ملوگی۔ کیونکہ رسالت مآب کے انتقال فرماتے ہی سیدہ کا دل دنیا کی بے ثباتی سے اکھڑ گیا تھا۔ وہ ماں اور بیوی ہونیکی حیثیت سے اپنے فرائض کو اچھی طرح سمجھتی تھیں اور اس لئے کہ اسلام نے اجازت نہیں دی۔ موت کی متمنی بھی نہ تھیں۔ مگر اس محبت کا اندازہ بہت مشکل سے ممکن ہے جو سیدہ کو رسول اللہ ؐ سے تھی۔ ماں کی محبت ان میں مضمر باپ کی محبت ان میں ظاہر اور اس پر طرہ رسول ؐ کی محبت گویا تین محبتیں ایک سیدہ کے قلب میں سمائی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ؐ کی تھیں ان کا انتقال فرمانا تھا کہ صرف وہی ایک دھن رہنے لگی کہ کسی طرح رسول اللہ ؐ کے چہرۂ اقدس کی زیارت کروں۔ باوجود اس ادھیڑ بن کے انہوں نے رحلت کے چند گھنٹے بیشتر دونوں بچوں کو اپنے ہاتھ سے نہلایا ہے۔ آخر وقت تک ان فرائض میں مطلق تساہل نہ کیا جو ایک ماں اور بیوی کے واسطے انجام دینے ضروری ہیں۔ ماں

حالت میں بھی جیسا کہ زندگی کے اس آخری حصہ کو کہا جاتا ہے کہ انتہائے مصائب نے
انھیں مصیبتوں کی پوٹ بنا دیا تھا۔ اور فریقین اس کے معترف ہیں کہ خانہ داری کی
مصروفیت، بچوں کی تربیت، شوہر کی خدمت، انہماک عبادت کسی میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔
اکثر رات کے وقت روضۂ اقدس پر حاضر ہوتیں اور بعد عشا وہیں عبادت میں مصروف رہتیں۔
اس وقت سیدہ کی جو حالت تھی ہم الفاظ میں اس کو ادا نہیں کر سکتے۔ باپ کی موت
یقیناً ایک مصیبت کا پہاڑ تھی۔ اور جیسا کہ عام دستور ہے۔ خیال تھا کہ رفتہ رفتہ یہ صدمہ
زائل ہو گا۔ مگر برعکس اس کے جوں جوں دن گذرتے تھے ان کی طبیعت زیادہ متاثر ہوتی
جاتی تھی۔ ماں کی یہ حالت دیکھکر بچوں نے دلداری اور شوہر نے دلجوئی میں کمی نہ کی۔ مگر
یہ صدمہ کچھ ایسی بری طرح ہاتھ دہو کے پیچھے پڑا کہ نقاہت روز بروز زیادہ بڑھتی گئی۔
رسول اللہ کو انتقال فرمائے تین ہفتے بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ ایک روز رات کے وقت
تہجد میں مصروف تھیں۔ اور یہ وہ روز تھا کہ اس روز گھر میں کچھ پکا پکایا نہ تھا۔ اور سب
فاقے سے تھے۔ امیر علیہ السلام اور بچے بیخبر پڑے سوتے تھے۔ اور وہ دو وقت کی بھوکی
خدا کے حضور میں کھڑی تھیں۔ قدرت کے انتظام سب کے لئے برابر ہیں۔ دفعتہً چکر آیا۔
اور اس زور سے گریں کہ سخت چوٹ آئی۔ ان اللہ کے نیک بندوں کو ڈاکٹر یا حکیم
تو کیسا۔ ہلدی چونہ بھی نہ جڑتا تھا۔ اس دہماکے سے حضرت علی کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ
سیدۃ النسا بیہوش پڑی ہیں بے چین ہو گئے مٹی سنگھائی منہ پر پانی چھڑکا۔ کچھ دیر بعد جو
سیدہ کو ہوش آیا تو امیر علیہ السلام کے آنسو سیدہ کے چہرے پر گر رہے تھے۔ دیکھ کر
بیتاب ہو گئیں۔ اور کہا علی کیوں روتے ہو۔ حضرت علی کچھ دیر خاموش رہے۔
اور پھر کہا خدا کی قدرت دیکھ رہا ہوں کہ آج دو وقت سے ہم میں سے کسی کے منہ
میں دانہ تک نہیں گیا۔ اسی وجہ سے تم کو چکر آیا اور گر پڑیں۔ ان تکلیفوں کا بدلہ
خدا ہم کو جنت میں دیگا۔ سیدہ نے شوہر کی یہ گفتگو سنکر آسمان کی طرف دیکھا اور خدا

کا شکر ادا کیا۔ مگر یہ چوٹ مرض کی ابتدا ہو گئی۔ اب ان کو زیادہ دیر تک کھڑے رہنے اور زیادہ دور چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی تھی۔ اور روضۂ اقدس پر بھی کم آتی جاتی تھیں۔ اس کمی نے گھٹ گھٹ کر اور بھی بیقرار کر دیا۔ رسول اللہ کا ایک پیرہن مبارک ہر وقت ہاتھ میں ہوتا۔ اس کو آنکھوں سے لگاتیں سر پر رکھتیں۔ سونگھتیں اور روتیں۔ بیوی کی یہ کیفیت دیکھکر حضرت علی کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ وہ ہرچند سمجھاتے اور تسلی دیتے تھے۔ مگر فراق پدر ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا صدمہ زائل ہو جاتا۔ جب حالت زیادہ خراب ہونے لگی تو ایک روز سیدہ نے حضرت علی سے درخواست کی کہ علی زندگی کا بھروسہ نہیں۔ حالت روز بروز بگڑ رہی ہے۔ مجھ کو ایک دفعہ رسول اللہ کے مزار مبارک کی زیارت کرا دو۔ دل تڑپ رہا ہے۔ طبیعت بےچین ہے۔ چاہتی ہوں کہ کچھ دیر خدمت اقدس میں حاضر رہوں۔ اور جانتی ہوں کہ مزار پاک کی خاک میری اس گھبراہٹ کو کم کر دے گی۔ حضرت علی بیوی کی یہ درخواست سنکر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ساتھ لے کر روضۂ پاک پر آئے۔ یہاں پہنچنا تھا کہ سیدہ کا اضطراب اور زیادہ بڑھا۔ دیر تک مزار سے لپٹی پڑی رہیں۔ اور خاک مزار منہ ہاتھ پر ملتی رہیں۔ جب وہ بےچینی فرو ہوئی تو گھر تشریف لائیں۔ اس وقت انھیں مواخذہ آخرت کا تصور بندھا اور خیال آیا کہ خدا کے حضور میں حاضر ہونے کے واسطے میں اپنے ہمراہ کیا تحفہ لے جا رہی ہوں۔ اس خیال نے اور بھی مضطرب کر دیا۔ حضرت علی نے کہا فاطمہ تمہاری بابت رسول اللہ فرما چکے ہیں کہ تم خاتون جنت ہو، پھر کیوں پریشان ہوتی ہو۔ جواب دیا، ہاں! مگر خاتون جنت ہونے سے پہلے تمام عمر کی جواب دہی کرنی ہے۔

سیدہ موت کی متمنی نہ تھیں۔ وہ یہ بھی کوشش کرتی تھیں کہ رسول اللہ کے انتقال کا صدمہ ان کے دل سے زائل ہو جائے۔ جانتی تھیں کہ حسنین جیسے لال بن ماں کے

ہو جائیں گے۔ جو شفقت اور دلجوئی میں کر رہی ہوں۔ میرے ہی دم تک ہے۔ میرے بعد کون میٹھا ہے جو ان کو کلیجے سے لگائے گا۔ اور میٹھی نیند سلائیگا۔ اگر رسول اللہ جیسے باپ کی جدائی تھی تو ادھر علی جیسے شوہر حسنین جیسے بچوں، زینب اور کلثوم جیسی بچیوں کی۔ مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ سیدہ کا سایہ بچوں پر زیادہ عرصہ تک نہ رہے۔ ایسی حالت میں خود سیدہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے سوچا کہ نامحرم میرے جنازے کو ہاتھ لگائیں گے۔ آج تک کسی نامحرم کی نظر میرے چہرے پر نہیں پڑی۔ اس خیال کے آتے ہی انہوں نے حضرت علی کو وصیت کی کہ میری میت کو نامحرم ہاتھ نہ لگائے رات کے وقت دفن کر دینا۔

یہ خیال اس حد تک ترقی کر گیا، کہ ان کو گھوارہ کی صورت پر بھی اطمینان نہیں ہوا۔ اور خود وہ گھوارہ تجویز کیا جس میں آج تک مسلمان عورتیں اپنے گھروں سے رخصت ہو کر قبروں میں پہنچتی ہیں۔ موجودہ گھوارہ جس میں قد و قامت جسم کسی چیز کا نامحرم کو پتہ نہ چلے سیدہؓ کی تجویز ہے۔

پانچ چھ روز اس کے بعد اور گزرے اب چلنے پھرنے کی طاقت اچھی طرح نہ تھی بچے ہر وقت ماں کے کلیجے سے لگے رہتے تھے۔ ان کو چمٹائے ہوئے روتی تھیں۔ اور ان معصوموں کی آئندہ حالت کا خیال کر کے ماتا کے جوش میں بیتاب ہو جاتی تھیں۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت علی باہر سے تشریف لائے تو دیکھا کہ تھوڑی سی مٹی گھلی ہوئی ایک برتن میں پاس رکھی ہے۔ میلے کپڑے الگنی پر دھلے پڑے ہیں۔ چکی پیس رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔ یہ کیفیت دیکھکر حضرت علی سے صبر نہ ہو سکا۔ اور کہا فاطمہ تمہاری حالت اس قابل نہیں ہے۔ شوہر کے اس کہنے سے جی بھر آیا۔ زیادہ رونے لگیں تو حضرت علی نے سیدہ کا سر اپنے سینہ سے لگا لیا۔ خاموش ہوئیں اور کہا۔

علی! رات کو میں نے رسول اللہ کو خواب میں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کے

منتظر ہیں۔میں نے عرض کیا، یارسول اللہ میری حالت خراب ہے۔ جدائی کا زمانہ قیامت ہو گیا، تو فرمانے لگے فاطمہ! تم کو لینے آیا ہوں۔ اُٹھو چلو، بچوں کو خدا کے سپرد کرو۔ اور جنت کی سیر دیکھو۔ علی مجھ کو یقین ہے کہ موت کا وقت قریب آ گیا۔ میٹی اس لئے گھولی ہے کہ بچوں کو اپنے ہاتھ سے ایک دفعہ اور نہلا دوں۔ کپڑے اس لئے دھوئے ہیں کہ ان کے کپڑے اپنے سامنے بدل دوں۔ جو اس لئے پیس رہی ہوں کہ میرے بعد تم اور بچے بھوکے نہ رہو۔ حضرت علی اس خواب کو سنکر بیقرار ہو گئے، اور کہا فاطمہ کیا کہہ رہی ہو۔ ابھی رسول اللہ کا صدمہ تازہ ہے۔ تم ایسی باتیں کر رہی ہوں، آپ نے فرمایا جو میں کیا اس میں بھی کرنا۔ اس کے بعد آپ نے بچوں کو قریب بلایا۔ ان کے سر پر ہاتھ پھیرے گلے لگایا۔ روئیں، رو کر کہا کہ پیارے بچو جاؤ نانا کے مزار پر حاضر ہو۔ اور میرے لئے دعائے مغفرت کرو۔ دونوں بچے روتے ہوئے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ مگر فوراً ہی اُلٹے پاؤں واپس آ گئے، تو سیدہ نے بچوں کو گلے سے لگا لیا۔ اور کہا کیوں واپس چلے آئے دونوں بچے رو رہے تھے۔ اور ماں کے گلے میں ہاتھ ڈالے ایک لمحہ کو علیحدہ نہ ہوتے تھے۔ حضرت علی نے پانی پلایا۔ اور پوچھا، کہ تم کیوں چلے آئے تو دونوں نے کہا کہ ہم کو روضۂ اقدس پر ایسا معلوم ہوا کہ کوئی کہتا ہے حسنین! تمہاری ماں دنیا سے رخصت ہوتی ہے۔ چند گھڑی کی مہمان ہے۔ ان کی خدمت میں حاضر رہو۔ اور اس چہرے کی زیارت کرتے رہو۔ جواب چھوٹتا ہے۔ اب سیدہ کو اپنی رحلت کا پورا یقین ہو گیا حضرت علی کو بلا کر کہا تین درخواستیں کرتی ہوں قبول کیجئے۔ اول یہ کہ میری خطا اور قصور معاف کرنا۔ دوسرے یہ کہ جنازہ رات کے وقت اُٹھانا اور کسی نامحرم کو ہاتھ نہ لگانے دینا۔ تیسرے یہ کہ بن ماں کے بچوں کی دلداری میں کمی نہ کرنا۔ ان کے سر سے ماں کا سایہ اٹھتا ہے۔ انکے دل کمزور ان کے حوصلے پست اور ان کے جسم ناتواں ہیں۔ مگر ان کی باتیں بھولیں۔ ان کی ضدیں سچی۔ اور ان کی ہٹیں درست ہوں گی۔ امیر علیہ السلام رونے لگے۔ اور فرمایا

تم بھی میری غلطیوں کو معاف کر دینا۔ اس کے بعد سیدہ نے حضرت علی سے کہا۔ بچوں کو لیکر روضہ اقدس پر چلے جاؤ۔ جب حضرت علی چلے گئے تو آپ نے وضو کیا۔ سپید کپڑے بدلے اور اسما سے کہا علی سے کہدینا اسی لباس میں غسل دیں۔ برہنہ نہ کریں۔ اب حالت زیادہ بگڑ رہی تھی۔ قبلہ کی طرف منہ تھا۔ اور مناجات میں مصروف تھیں۔ رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو منگل کے روز مغرب وعشا کے مابین مدینہ کی اس شہزادی نے دنیا سے رحلت فرمائی۔

خاتمہ

آج چھ مہینے کے بعد قلم کا مسافر تھکا ہارا منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ ریگستان عرب کی مسافت خاصی زحمت تھی۔ قدم قدم پر ٹھوکریں۔ کوسوں سناٹا۔ آدمی نہ آدم زاد پانی نہ پتہ۔ اختلافات باہی۔ لُو کے گرم تھپیڑوں اور بادِ سموم سے کم نہ تھے۔ تاریخ کی خموشی نے وسیع میدان میں ایسا اندھیرا گھپ کیا تھا کہ منزلیں طے ہو گئیں۔ اور راتیں ختم۔ مگر ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی نظر نہ آیا۔ ہمت پہلے ہی مرحلے میں پست ہو چلی تھی۔ جہاں تک نظر جاتی تھی عالم سنسان تھا۔ تعجب یہ ہے کہ بڑے بڑے اولو العزم شجاع اس راستہ سے گزرے۔ مگر کوئی نقش پا ایسا نہ چھوڑا کہ بھولا بھٹکا مسافر پار ہو جاتا۔ یا رات کی تنہا گھڑیوں میں کوئی روشنی ہی رہبری کر دیتی۔ جی چھوٹ چلا تھا۔ مگر سیدہ کی عظمت دل کے کان میں یہ صدا دے رہی تھی کہ ہمت میں کمی نہ ہو۔ بیڑا پار کرنے والا خدا ہے۔ اب یہ صدا پوری ہوئی اور مہینوں کی محنت اس وقت ٹھکانے لگتی ہے۔ کہنے کو یہ سفر کٹھن تھا۔ مگر دل کی لگی نے خزاں کو بہار بنا دیا۔ عقیدت کا فرشتہ باآواز بلند کہہ رہا تھا کہ سیدہ کی شاہانہ سواری کوئی دم میں نظر آئی۔ اور یقین کی آنکھیں اپنی دھن میں چشم براہ تھیں۔ کیسی پُرلطف تھیں وہ راتیں جو اس انتظار میں صبح ہو گئیں۔ اور کتنے مبارک تھے وہ دن جنہوں نے گھنٹوں اس تخیل سے دماغ کو معطر رکھا۔ منزل پر پہنچکر آرام مل گیا۔ تکان دور ہوئی۔ مگر میں ہی جانتا ہوں کہ مجھ پر کیا گذری۔ جو امید برسوں سے دل میں پل رہی تھی اور جو خیال دماغ میں

پک رہا تھا۔ آج وہ سب جدا ہوتے ہیں۔

بقیع میں آرام کرنے والی بی بی کا جسد خاکی قیامت کی نیند سو رہا ہے۔ اس جواں مرگ سے خانۂ امیر کا وہ چراغ گل ہوا جو مدت العمر دوبارہ روشن نہ ہو سکا۔ اور بچوں کے سر سے ایک ایسا وارث اُٹھ گیا جس کی محبت بھری باتیں اور شفقت آمیز نظریں پھر سننی اور دیکھنی نصیب نہ ہوئیں۔ مگر خدا کی مصلحت اسی میں تھی زندگی ہوتی مصائب کی انتہا اور صدمات کی حد آخر۔ اس وقت چشم بینا اس وادیٔ پُرخار سے نکلکر وہ سرا منظر دیکھتی ہے۔ کربلا کا جلتا بھلتا میدان۔ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہوا طبقۂ دوزخ کو مس کرتی ہوئی یہاں بھی پہنچ جاتی ہے۔ آفتاب انگارے برسا رہا ہے اور اس ہولناک میدان اور قیامت خیز عالم میں سیدہ کا لال اپنی ناموس کو لئے ششدر و حیران کھڑا ہے۔ آنکھیں پانی کی صورت کو تین روز سے ترس گئیں۔ دریا آنکھوں کے سامنے لہریں لے رہا ہے۔ مگر اتنی اجازت نہیں کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھ لے۔ دودھ پیتے بچوں کی زبانیں باہر نکل پڑیں۔ ماؤں کے دودھ خشک ہوگئے۔ بھانجے بھتیجے تڑپ تڑپ کر آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہے ہیں۔ دل میں ذکرِ خدا۔ اور زبان پر شکرِ خدا ہے۔ میزبان دشمن نکلے۔ اور مسلمان خون کے پیاسے۔ نانا کا کلمہ پڑھنے والی قوم جان کی خواہاں اور آبرو کی لینے والی ہے۔ ایک تن واحد سید مظلوم کے واسطے ہزاروں تلواریں میان سے باہر آگئی ہیں جنگل کے چرند کچھاروں کے درند۔ ہوا کے پرند۔ فرات سے سیراب ہو رہے ہیں۔ مگر اہل بیت پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس گئے۔ معصوم بچے۔ امام۔ بھولی سیدانیاں خاموش ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہیں۔ خیال تھا کہ آج ظالم ظلم سے باز آجائیں۔ مگر تیسری رات بھی حسینی قافلہ پر صاف گزر گئی۔ اور میدان کربلا میں سوا جلتی بھلتی ریت اور لُو کے گرم جھونکوں کے کچھ میسر نہ آیا۔ صبح صادق کے سہانے وقت میں ادھر آواز دہل سنے یہ آواز بلند عارضی دنیا اور فانی حکومت کی بے ثباتی کا اعلا

کیا اور ادھر شہنشاہ لازوال کی طاقت و قدرت کا پیغام ہوا میں گونجا۔ پتے لرز گئے۔
زمین دہل گئی۔ اور فرات اس نام سے تھرا گیا۔ مگر نہ پسیجے۔ دل تو ان ہی شقی القلب
کلمہ گو مسلمانوں کے جو بے بس و بے کس امام کے قتل پر کمربستہ تھے۔ جب خدائی پیغامبر
علمدار کی سریلی آواز نے علی الاعلان کہا ہے۔ اشہد ان محمد رسول اللہ تو صدائے
حق سنتے ہی مصیبت ماروں کی آنکھ سے آنسو گر پڑے۔ شہر بانو آگے بڑھیں اور کہا۔

امام عالی مقام! جس روز سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئی آج تک کسی خواہش کا
اظہار نہ کیا۔ مگر آج ایک درخواست پیش کرتی ہوں۔ قبول فرمائیے۔ اصغر میری ڈیڑھ سال
کی امانت ہے۔ بیمار صغریٰ مجھ سے جیتے جی چھوٹ گئی۔ نہ معلوم زندہ ہے یا تڑپ تڑپ کر
رخصت ہوئی۔ اب یہ لال بھی کوئی دم کا مہمان ہے۔ دودھ خشک ہو چکا۔ بدنصیب ماں
اس قابل نہیں کہ اس کے لب تر کر دے۔ آواز روتے روتے پڑ گئی۔ ڈگر ڈگر آنکھیں
اور حسرت بھری نگاہیں باقی ہیں۔ آنکھ کھولتا ہے اور اس توقع پر میرے چہرے کو دیکھ
لیتا ہے کہ دودھ پلا دوں۔ اگر خلاف مرضی نہ ہو، تو میرے لال کی حالت دشمنوں کو
دکھا دیجئے۔ اور اس اذان کا واسطہ۔ اذان والے کا صدقہ دے کر دو گھونٹ
پانی اس کے حلق میں ڈلوا دیجئے۔ شاید اسی بہانے سے اصغر کی زندگی ہو جائے۔
لو سخت ہے اور نرم رخسار مرجھا چکے ہیں۔ للہ اپنے دامن سے ڈھانک لیجئے۔ اور
کلیجے سے لگا لیجئے۔ اتنا کہہ کر ماتا کی ماری ماں نے اپنی اٹھارہ مہینے کی کمائی شوہر کی
گود میں دیدی۔ بچہ نے محبت بھری نگاہ سے ماں کا چہرہ دیکھا۔ گویا وہ نگاہیں کہہ رہی
تھیں کہ یہ میرے آخری لمحے ہیں۔ اپنی صورت دکھا دو اور میری دیکھ لو۔ اس محبت کی
تہہ میں موت کھیل رہی تھی۔ ماں نے ایک دفعہ بچہ کو اور پیار کیا۔ اور امام عالی مقام باہر
نکلے۔ بیوی کی التجا اپنی ماتا۔ بات کی پچ، کلمۂ حق کی حفاظت رک رک کر قدم اٹھائے۔ اور
قریب پہنچکر کہا کیوں ہنس رہے ہو۔ ڈرو خدا سے میرا مذاق نہ اڑاؤ۔ کیا کہہ رہے ہو شگیزہ

نہیں ہے۔ آنکھیں کھولو۔ اور دیکھو یہ کیا ہے۔ یہ اس شخص کے کلیجہ کا ٹکڑا ہے جس کا دل خدا کا رسول تھا جس کا کلمہ پڑھتے ہو یہ اس کے پیارے کا پیارا ہے۔ بھلا تو یہ شہر بانو کی ۱۰ مہینے کی محنت اس کا وہ لال ہے جس کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی ہے اس کی موت اس کو بے موت مار دے گی۔ دیکھو لُو کے جھونکے اس پھول سے لال کو جھلسا رہے ہیں۔ تمہارا قصور وار میں ہوں یہ معصوم بے گناہ ہے۔ اس کی ماں کا دودھ خشک ہو چکا۔ اس لال پر تو وقت کا فاقہ ہے ایک گھونٹ پانی کا دیدو۔ امام کی تقریر ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ حرملہ بن کامل کا تیر بچہ کے حلقوم سے پار تھا۔ اصغر نے آنکھ کھولی، باپ کو دیکھا اور رخصت ہوا۔ امام بچہ کا مردہ کلیجہ سے لگا واپس آئے۔ اور کہا لو بانو اصغر سیراب ہو گئے۔ ماں نے ہاتھ پھیلائے کپڑا اٹھایا تو کربلا کا ننھا سا مہمان باپ کے کلیجے سے چمٹا خون میں نہا رہا تھا۔

بچوں کو گود میں لینے والی مائیں۔ ہمکتے بچوں کو کلیجہ سے چمٹانے والی مائیں شفقت بھری نظروں سے بچوں کو دیکھنے والے باپ اور پھول سے بچوں پر جان چھڑکنے والے باپ اس وقت کا اندازہ کر لیں کہ ماں باپ کا دل کیا کہہ رہا ہوگا۔

اصغر کی شہادت نے دونوں کا کلیجہ توڑ دیا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر کیا۔ بڑے بچے علی اکبر سے اب ضبط نہ ہوا۔ اور چاہا کہ دشمنوں کو ان کی سنگدلی کا مزہ چکھا دیں میدان میں جانے کا قصد کیا تو ادب سے ہمت نہ پڑی۔ بدن پر ہتھیار لگا کر گردن نیچی کئے باپ کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ جس باپ کی گود میں ابھی ابھی ایک لال دم توڑ چکا ہو اس کے سامنے جوان شیر کی وداع کیسی ہوگی۔ صاحب اولاد سمجھیں۔ امام کی آنکھ میں آنسو بھر آئے۔ بچہ کو کلیجہ سے لگا کر کہا۔ تمہاری اجازت دینے والا میں نہیں ہوں۔ اس پھوپی سے اجازت لو جس نے ہزاروں ارمانوں سے جوان کیا ہے۔ راتوں جس کے کلیجے پر اور دنوں جس کے سینہ پر لوٹے ہو۔ باپ کی یہ تقریر سنکر اکبر پھوپی کے پاس سرنگوں آکھڑے ہوئے۔ کچھ دیر خاموش رہیں۔ پھر مامتا کا جوش اٹھا۔ بے تابانہ کلیجے

سے لگایا۔ اور کہا اُن کی تیاریاں ہیں بسم اللہ کرو۔ باپ پر فدا ہونے کا یہی وقت ہے۔ چلو میں چلکر اجازت دلوادوں گی۔

دونوں پھوپی بھتیجے امام کے پہلو میں آکھڑے ہوئے تو سید الشہدا نے بہن سے کہا تمہارے صاحبزادے میدان جنگ کی اجازت کے واسطے اصرار کر رہے ہیں۔ بتاؤ کس دل سے اجازت دیدوں۔ ابھی اصغر کے آنسو چہرے پر موجود ہیں۔ آخر انسان ہوں۔ پہلو میں دل ہے پتھر نہیں۔ تم ان کی پھوپی بھی ہو۔ ماں بھی ہو۔ بھائی کا لحاظ بھتیجے کی محبت چھوڑ کر۔

بیٹی ہو تم علی کی تم ہی فیصلہ کرو

بھائی کی مصیبت بھتیجے کی محبت دونوں باتیں آنکھ کے سامنے تھیں۔ علی اکبر نے ایک نظر پھوپی کی طرف اُٹھائی۔ اس میں نہ معلوم کیا تھا۔ التجا تھی۔ منت تھی۔ خوشامد تھی کہ اس نگاہ نے پھوپی کو رضامند کر لیا۔ اور اُنہوں نے کہا شوق شہادت رُکنے والا نہیں۔ میں نے دل پر پتھر رکھ لیا۔ تم مرد ہو۔ خدا کا نام لے کر اجازت دو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

علی اکبر کا چہرہ بشاش ہو گیا۔ تو پھوپھی نے کہا ماں کے گلے لگو۔ میں خدمتگذار تھی۔ حقدار یہی ہے۔ جس نے دودھ نہیں خون جگر پلایا۔ اور حسرت بھری نظروں سے فیصلہ کی منتظر ہے۔ اجازت اس سے لو جس کی کوکھ اُجڑتی ہے۔ حکم اس کا لو جس کا پھول دیکھتے ہی دیکھتے مرجھا گیا۔ اور شیر جوان آنکھوں سے اُٹھتا ہے۔ جھک جاؤ اور دادی کی روح کا واسطہ دے کر اذن لو۔ بسم اللہ کرو۔

ماں گم سم تھی۔ بچہ جھکا تو سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ دل امنڈ آیا۔ تو منہ پھیر کر روئیں۔ مگر آنسو خشک ہو چکے تھے۔ ضبط کیا۔ اور کہا بسم اللہ سدھارو۔

کربلا کے پیاسے مہمان کا لال میدان میں پہنچا۔ تو لعینوں نے کہا۔ علی اکبر جوانی

پر رحم کرو۔ بڑھیا ماں اور بدنصیب پھوپھی تڑپ تڑپ کر مرجائے گی۔ حسین کی پرواہ نہ کرو باپ تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔ کیوں اس کا ساتھ دیتے ہو۔ دنیا کی بہاریں دیکھو اور دیکھنے دو۔ یزید کی بیعت قبول کرو۔ اور ادہر آجاؤ۔ بجلی کی طرح یہ الفاظ تمام جسم میں دوڑ گئے غصہ کے مارے تھر تھر کانپنے لگے۔ اور کہا۔

قرآن کی بدی کرتا ہے تفسیر کے آگے
شبیر کا شکوہ دلِ شبیر کے آگے

تین دن کا بھوکا پیاسا ہوں۔ مگر تم جیسے کمینوں کو خون میں نہلا کر دنیا سے سرخرو جاؤں گا۔ ایک منفقہ گروہ امام کے اس چاند پر ٹوٹ پڑا۔ منقذ بن مرّہ عبدی کا نیزہ کلیجہ کے پار ہو گیا۔ امام عالی مقام بچہ کی لاش اٹھا کر لائے۔ اور سپرد زمین کی۔

نند بھاوجیں بچہ کی پیاسی کھڑی اللہ اللہ کر رہی تھیں کہ دیکھئے کیا ظہور میں آتا ہے کہ اکبر کی لاش نظر آئی۔ مصائب کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور صبر و شکر کا وقت تھا۔ دونوں کی دونوں دوڑ کر لاش سے لپٹ گئیں۔ دشمن فتح کا نقارہ اور طبلی کا ڈھول بجا رہے تھے۔ امام نے خود ہتھیار زیب تن کئے تو لاش سے جدا ہو کر ادہر آئیں۔ یہ عجیب سماں تھا۔ اور اس وقت وہ واقعہ پیش آتا ہے جو بہن بھائیوں کی سچی محبت کا قیامت تک نمونہ چھوڑ گیا۔

خواہر امام بیوی زینب نے اپنے دونوں بچوں عون و محمد کو علیحدہ بلایا اور خاموش نگاہ سے جس میں تعجب اور ناخوشی شامل تھی۔ ان کو دیکھا۔ بچوں کی بساط ہی کیا تھی۔ دس گیارہ برس کی عمریں نازونعم کے پلے سیدھے سادھے۔ ماں کے تیور دیکھکر سہم گئے۔ اور ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگے۔ غلاموں سے کیا قصور ہوا۔

ماں۔ تم کو یہ معلوم نہیں کہ کیا قصور ہوا۔ میں تو فقط دیکھ رہی تھی کہ دیکھوں تم کو خود بھی کچھ خیال آتا ہے یا نہیں۔

بچے۔ ہم کو تو جو حکم دیجئے فوراً اس کی تعمیل کریں۔

ماں:- میں حکم دوں، تم کو خود کسی بات کا خیال نہیں۔

بچے۔ اماں! ہم نہیں سمجھے کہ آپ کیا فرما رہی ہیں۔

ماں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ تمام عزیز امام پر سے قربان ہو گئے، ماموں کی بھری کھیتی آج اُجاڑ ہو گئی۔ علی اکبر آج شہید ہو چکے۔ تم سے چھوٹا بھائی اصغر شہادت کا درجہ حاصل کرے۔ اور تم دونوں زندہ رہ کر مجھے شرمندہ کرو۔ جب بھائی کے بچے نہ رہے تو اب میں تم کو کن آنکھوں سے دیکھکر خوش ہوں۔ تم نے اس میدان کربلا میں، جہاں سب بچے کام آ گئے۔ باپ اور ماں کی عزت پر پانی پھیر دیا۔ ایک وہ بچے ہیں جو اماں باوا کا نام روشن کریں۔ ایک تم ہو کہ میرے سامنے ہٹے کٹے جیتے جاگتے کھڑے ہو، ماں کی یہ شکایت اور غصہ معصوموں کے دلوں پر تیر کی طرح لگا، تھرا گئے اور کہنے لگے۔ ہم تو خود اسی فکر میں بیٹھے ہیں۔ کبھی ماموں جان کا منہ تکتے ہیں۔ کبھی آپ کو دیکھتے ہیں کہ شاید اب بھی ہم کو حکم مل جائے۔ لیکن نہ اُنھوں نے ہم کو اس قابل سمجھا نہ آپ نے۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے۔ ہماری تقدیر ایسی کہاں شاید ماموں جان نے ہم کو امیر کی اولاد نہ سمجھا جو ہمارا ہدیہ قبول فرماتے۔

بچوں سے یہ باتیں سنکر ماں کا دل بڑھ گیا۔ اور سمجھ گئیں کہ میرے لال مجھکو سرخرو کریں گے۔ لیکن بچوں کے سامنے اسی طرح خاموش رہیں۔ اور کہنے لگیں۔

سوچ رہے ہو گے، کیا خبر ہے۔ مجھ سے یا ماموں سے تو پوچھا نہیں۔

بچے! چلیئے تو اب آپ پھر اتنا رحم کیجئے کہ ماموں جان سے اجازت دلوا دیجئے دیکھئے بڑے بھائی جان (قاسم) ساتھ ساتھ پھر رہے ہیں۔ اب کے شاید وہ جائیں گے ہم سب سے ہی پیچھے رہ گئے۔

ماں۔ تمہاری تقدیر، کیوں اب تک سوتے رہے۔ چلو میں چل کر کہتی ہوں۔ شاید مان لیں۔ آگے آگے ماں پیچھے پیچھے دو چاند کے ٹکڑے۔ عمر بھر کی کمائی۔ گیارہ

برس کی محنت۔ اللہ اللہ کیا وقت ہے۔ اسی دن کو پال پوس کر تیار کیا تھا کہ دشمنوں کی تلواریں ان مہ پاروں کو خاک میں ملائیں۔ بھائی کی عاشق زار بہن پاس آئی اور کہا، بھیا ایک بات کہنی ہے۔

امام۔ کہو کیا کہتی ہو۔

زینب۔ میری شرم اس وقت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ فاطمہ کی اولاد۔ اور علی کے خاندان پر اس سے زیادہ مصیبت کا وقت اب کیا آئے گا۔ میں اس وقت کسی لائق نہیں ہوں۔ طاقتور نہیں کہ ظالموں سے ظلم کا بدلہ لوں۔ مرد نہیں کہ فرات سے مشک بھر لاؤں۔ اور پیاسوں کے حلق کو تر کر دوں، یہ وقت کیا سدا رہنے والا ہے اور تھوڑی دیر کی آزمائش ہے۔ جس کی تقدیر میں جو لینا ہے وہ لے لے۔ بھائی مجھ کو کیوں سعادت سے محروم کرتے ہو۔ کل میدان قیامت میں اماں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ اگر پوچھ بیٹھیں کہ زینب میدان کربلا میں بھائی کی کیا مدد کی۔ تو کس منہ سے جواب دوں گی۔ میرے بھائی مظلوم بہن کی شرم رکھ لے۔ اور یہ دو بچے موجود ہیں انکو قبول کر اور میدان کی اجازت دے تو کہہ سکوں گی کہ اماں میرے پاس جو کچھ تھا وہ قربان کر دیا۔

بہن کی تقریر سے امام کے آنسو نکل پڑے، اور کہا زینب کیا کہہ رہی ہو۔ ان پھولوں کو اچھی طرح کھلنے دو۔ یہ اپنی خوشبو سے دنیا کو معطر کریں گے۔ ان کی عمریں مرنے کی نہیں ہیں۔ میرا کلیجہ ان کو دیکھکر کٹ رہا ہے۔ انہوں نے ماموں کے ہاں بھوک پیاس کی جو تکلیف اٹھائی وہی کیا کم ہے۔ زینب میں تم سے تمہارے بچوں سے خود ہی شرمندہ ہوں کہ میں نے بہن بھانجوں کی خاطر تو در کنار اور انھیں مصیبت میں پھنسا دیا۔ اب میرے زخم پر نمک نہ چھڑکو۔

بہن دوڑ کر بھائی کے گلے سے لپٹ گئی۔ گلے میں ہاتھ ڈالدے۔ اور کہا امام

میں بہن نہیں ہوں۔ فاطمہ اور علی تیرے ماں باپ کی کنیز ہوں۔ میں یہ وقت دیکھنے کے واسطے زندہ رہ گئی تھی حسین اگر میرے بچے تمہاری نگاہ میں اس لائق نہیں ہیں، تو اماں باوا کی پاک روحوں کا صدقہ بے کس بہن کو خالی نہ پھیرو۔ اصغر اور اکبر کے بعد اب میں ان کو لیکر کیا کروں گی۔ ان کو اجازت دو اور مجھ کو جلا لو۔

بہن کے یہ الفاظ اس مصیبت خیز حالت میں امام کے واسطے قیامت تھے۔ ہچکی بندھ گئی۔ بہن کو کلیجہ سے لپٹا لیا۔ اور کہا زینب کیا کہہ رہی ہو۔ دنیا تم جیسی بہن پر فخر کرے گی۔ سادات تمہارے نام پر ناز کریں گے۔ اور مسلمان تمہارے کارنامے سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ عون و محمد میرے کلیجہ کے ٹکڑے ہیں۔ اکبر و اصغر سے زیادہ ہیں۔ دل گوارا نہیں کرتا کہ اپنے جیتے جی ان دونوں کا صدمہ اٹھالوں۔ یہ چہرے اس قابل نہیں ہیں کہ خون میں نہا جائیں۔ یہ کونپلیں ابھی اچھی طرح پھوٹیں بھی نہیں تم تو دلی ہو۔ تمہاری خوشی، میں انکار نہیں کر سکتا۔ بسم اللہ بھیجو۔

خوشی کے مارے اچھل پڑیں۔ دونوں سے کہا جھکو اور ماموں کا شکر بجا لاؤ۔ دونوں ادب سے سرنگوں ہوگئے۔ تو امام نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھے۔ اور کہا تمہاری ماں کی یہی خوشی ہے تو عون و محمد جاؤ۔ اور جو داغ حسین کی تقدیر میں لکھا ہے دیجاؤ۔ دونوں کو خوش خوش لے کر آئیں۔ ان کے کپڑے بدلے اپنے ہاتھ سے ہتھیار لگائے۔ اور کہا خدا حافظ۔

اس ہی ماں کے دل سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا گذری ہوگی۔ جو بچوں کو ظالموں کے واسطے دولہا بنا رہی تھی۔ بچے تیار ہوئے۔ تو گو ضبط کر رہی تھیں۔ مگر دل بگڑ گیا۔ دونوں کو گلے لگایا۔ اور کہا دیکھو میں یہاں بیٹھی تم کو دیکھ رہی ہوں۔ گھبرانا نہیں تھوڑی دیر کا واسطہ ہے۔ تمہاری نانی اور نانا سب تمہارے واسطے جام کوثر لئے تیار کھڑے ہیں۔ ہمت کی دیر ہے۔ مجھ سے بہتر چاہنے والے ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ ماں کی گو

سے چھوٹ کر ان گودوں میں پہنچو گے۔ جہاں ابدی راحت اور ہمیشہ کا آرام ہو گا۔

لو جاؤ۔ فی امان اللہ۔

میری ہی تم میں جان ہے گو بے حواس ہوں
تم مڑ کے دیکھ لو کہ میں پردے کے پاس ہوں

بچوں کا میدان میں پہنچنا تھا کہ اعدا کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ اور کہنے لگے یہاں تک نوبت آ گئی، ہم جیسے بہادروں کے مقابلہ میں یہ بچے آنے لگے۔ جن کے دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے۔ تم کون ہو۔ امام سے کیا تعلق ہے۔ کیوں خواہ مخواہ اعمالنامے میں اپنا خون لکھواتے ہو۔ ہم کو ہاتھ اُٹھانے سے شرم آتی ہے۔ عباس کہاں ہیں انکو بھیجو، کوئی اور مرد بھی ہے، یا سب مر گئے۔ تم ہی رہ گئے ہو۔ ہم نے تو بڑا شہرہ سنا تھا وہ جاں نثار کدھر گئے۔ تم ہو کون۔

بچے لعینوں کی مسکراہٹ پر غصہ کے مارے دانت چبانے لگے۔ مگر بچے تھے معصوم بھولے بھالے۔ کہنے لگے ہم امام کے بھانجے ہیں۔ اور ماموں کے جاں نثار خادم۔ تم دیکھنا ہم تم میں سے کتنوں کو جہنم میں پہنچاتے ہیں۔

اعدا۔ کون سی بہن کے بیٹے ہو۔ کیا تمہاری ماں بھی ساتھ آئی ہیں۔ یا فقط تم ہی گلا کٹانے آئے ہو۔

بچے۔ تم کو ہماری ماں سے کیا مطلب۔ ہم تمہارے سامنے نہیں کہتے کہ کون سی بہن کے بیٹے ہیں۔

اتنا کہہ کر بچوں نے حملہ کیا۔ اپنی بساط کے موافق خوب لڑے۔ لیکن کہاں دو بچے اور کہاں یہ انبوہ۔ تھوڑی دیر بعد دونوں کی پاک روحیں جنت میں داخل ہوئیں تو امام عالی مقام بچوں کی لاشیں خیمہ میں لائے۔ اور بہن سے کہا لو زینب تمہارے

لال دولہا بن کر آگئے۔ کہوارماں پورا ہو گیا۔
بچوں کا چہرہ دیکھتے ہی دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ مگر خاموش تھیں۔ جلدی سے سنبھلیں۔ اور پھر بچوں کو دیکھ کر کہا۔
بھائی میرے بچے ناواقف تھے۔ کوئی بات لڑائی میں خلاف جنگ تو نہیں کی۔ یہ لڑ رہے تھے۔ میں دیکھ رہی تھی۔ نانا کی امت نے میرے سامنے میرے کلیجہ کے ٹکڑے تیروں سے چھیدے ہیں۔ میرے بچے مجھ پر فدا ہوئے۔
اب تک دور سے کھڑی دیکھ رہی تھیں اور دونوں لاشیں جن کو اپنے ہاتھ سے موت کے واسطے تیار کیا تھا۔ گلے کٹائے سامنے پڑی تھیں۔ بدن سے خون جاری تھے۔ اور پیاس کے مارے زبانیں باہر نکلی پڑتی تھیں۔ صورتیں دیکھتے دیکھتے دفعتہً ایک جوش اٹھا۔ آگے بڑھتی تھیں کہ حیا نے سیدانی کے پاؤں میں زنجیر ڈالدی۔ شہربانو نے امام کو بلا کر کہا۔ باہر چلے جاؤ۔ بدنصیب ماں کو اتنا موقعہ دیدو کہ بچوں سے لپٹ لے جو کہنا ہے وہ کہہ لے۔ جو سننا ہے وہ سن لے۔ امام باہر گئے تو دونوں کے بیچ میں خود لیٹ گئیں۔ سیدھا ہاتھ بڑے کے سینے پر اور الٹا چھوٹے کے سینہ پر رکھا۔ اور کہا: ماں کے گھر سے بھوکے پیاسے رخصت ہونے والے بہالو اُٹھو، ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کر دو۔ آؤ لپٹ جاؤ۔ ذراسی خفگی سے تو کانپ گئے تھے۔ اب اتنی دیر سے رو رہی ہوں۔ آنکھ کھولو۔ ماں پر فدا ہونے والے لاڈلو۔ آنکھ کھولو۔ نانا نانی سے میری شکایت نہ کرنا۔ میں مجبور تھی۔ دریا پر دشمنوں کا پہرا ہے۔ پیاس میں تڑپتا میدان میں بھیجا۔ میں ظالم ماں نہیں ہوں۔ اپنے بچوں کی عاشق ہوں جب تک ہوں زندگی کے دن کاٹوں گی۔ مگر پیارو تمہارے بعد خوشی حرام ہو گئی لو جاؤ ماں کے گھر سے رخصت ہو۔ اکیلے قبروں میں آرام کرو۔ عون اس جنگل بیابان میں میرا بچہ محمدؐ ڈرے نہیں۔ اس کو اپنی چھاتی سے لگالو۔ ماں کی پرورش ختم ہو گئی اب

تم ہی اس کے وارث ہوا ایسا نہ ہو ڈر کر اچھل پڑے۔ دیکھو کیسی بے خبر نیند سو رہا ہے۔ لو جاؤ سدھارو۔ خدا حافظ۔

المختصر ایک تین گھنٹے میں گاجر مولی کی طرح یزیدی سفاکوں نے فاطمہ کے جگر پاروں کا صفایا کر دیا۔ ترسا ترسا کر مارا۔ تڑپا تڑپا کر مارا۔ دکھا دکھا کر اور جلا جلا کر۔ جب دسویں محرم کا آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچا ہے۔ اور تپتے تک جھلس چکے ہیں تو وہ وقت آیا جب سیدانیوں کے سر پر سوا شہید کربلا کے دوسرا مرد نہ رہا۔ اس وقت مسافر کربلا نے عورتوں کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ اب میں جاتا ہوں۔ اگر خدا کو منظور ہے تو قیامت کے روز ملاقات ہوگی۔ فاطمہ کے گلفام سب خاک میں جا سوئے اور علی کی نسل تمام منقطع ہو چکی۔ صرف ایک عابد بیمار ہیں۔ اگر یہ زندہ ہے اور خدا نے کبھی تم کو چین دیا تو نانا کی امت تک میرا یہ پیغام پہنچا دینا۔

مسلمانو! دنیا کی کسی حالت کو قرار نہیں۔ اور کسی کیفیت کو ثبات نہیں۔ جو آج تخت نشین ہے۔ وہ کل خاک نشین ہوگا۔ مدینہ طیبہ میں جس کی سواری خدا کا پاک رسول تھا میدان کربلا میں اس کو مصیبت ناک گرمی میں تین دن اور تین رات پانی کا قطرہ تک میسر نہ ہوا۔ اس حالت اور آفت میں معصوم بچوں اور جوان شیروں نے آنکھوں کے سامنے دم توڑا۔ برابر کے بھائی اور ہمیشہ کے رفیق چھوٹے۔ سیدانیاں بے یار و مددگار رہیں۔ اور خدا کے سوا ان کا کوئی وارث نہ رہا۔ میرا پاؤں استقلال سے نہ ڈگمگایا۔ خدا کا سچا وعدہ۔

ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ میری آنکھ کے سامنے رہا۔ زندگی کا زمانہ عارضی جو موت کی تہ میں چھپا ہوا ہے۔ بچوں کی موت میں میرے روبرو رہا۔ اور حیات ناپائیدار

کی فانی خوشیاں جن کا زوال فنا کے ساتھ وابستہ ہے۔ مجھ سے پوشیدہ رہیں۔ میں نے ایک ظالم اور زانی کی بیعت سے انکار کیا۔ اور گوارا نہ کیا کہ کلمہ گو مظلوم اور بے کس کی عصمت مآب خواتین میری موجودگی میں ایک جفا کار کی رعیت ہو جائیں مجھے اپنے نانا اور تمہارے رسول کو منہ دکھانا تھا۔ میرا استقلال لمحہ بہ لمحہ بڑھتا رہا۔ اور جس کو دشمن پر طاؤس سمجھتے تھے۔ وہ کوہ پیکر نکلا۔ بھوک کی تکلیف استقلال کے رنگ میں میرے واسطے نعمت تھی اور پیاس کی اذیت ثابت قدمی کی دھن میں میرے لئے موجب تسکین۔

بیبیاں جب اپنے شیر خوار بچوں کو کلیجہ سے لگا کر دودھ پلائیں تو حسین بیکس کی مصیبت کو فراموش نہ کریں۔ جس کی گود میں، اصغر جیسا لال دودھ کو ترستا اور پانی کو پھڑکتا، باپ کی صورت کو تکتا ہوا ختم ہو گیا۔ مسلمان جب اپنے جوان لڑکوں کو دولہا بنا کر ان کی دلہنیں پالکیوں میں سے اُتاریں۔ تو اس وقت کا خیال رہیں کہ رسول کا نواسہ کس طرح جوان شیر علی اکبر کی لاش کو میدان سے اُٹھا کر لایا اور زمین کے سپرد کر دیا۔ قوم جب اپنی بیویوں اور بہنوں کی ناموس کا احترام کرے تو یہ بھی یاد کرے کہ حسین کی ننگ و ناموس کا والی کربلا میں خدا کے سوا کوئی نہ تھا۔

ڈھول پر ڈھول بجنے لگا، اور سید الشہداء میدان جنگ میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا آج جمعہ کا روز ہے۔ مسلمان اس وقت فریضۂ نماز کی تیاریاں کر رہے ہوں گے۔ تم بھی کلمہ گو ہو۔ اور آج اس وقت جس کا کلمہ پڑھتے ہو اس کے نواسے کو مارنے کی تیاری میں مصروف ہو۔ اتمام حجت میرا فرض ہے، اور وہ اس لئے کہ کل قیامت کے روز میرے ذمہ کوئی الزام نہ آ جائے۔ اس لئے اگر اب بھی تم اپنی شرارت سے باز آ جاؤ۔ اور مجھ کو رستہ دو تو میں اہلبیت رسول کو لے کر

چلا جاؤں۔ لعین شیطنت پر کمر بستہ تھے۔ کیا اثر ہو سکتا تھا۔ لڑائی شروع ہوئی، اور کچھ دیر بعد امام عالی مقام پر چاروں طرف سے نرغہ ہوا۔ اور آپ زخمی ہو کر نیچے گرے۔ شمر نامی ایک شخص اس غرض سے آگے بڑھا کہ سر تن سے جدا کرے۔ آپ نے اس سے فرمایا دیکھ کیا وقت ہے۔ مسلمان اس وقت مسجدوں میں نمازیں پڑھ رہے ہوں گے۔ اور تم مجھے قتل کر رہے ہو۔ شہادت امام کی امید میں تمام رات فوج نہ سوئی تھی۔ اس گفتگو کا کیا نتیجہ ہو سکتا تھا۔ سر جدا کر دیا گیا۔ اور فتح کے نقاروں کی آواز نے بیبیوں کو شہادت حسین کا پیغام پہنچا دیا۔ اب دشمن لوٹ مار کے واسطے خیموں میں داخل ہوئے۔ وہ بیبیاں جنھوں نے غیر مردوں کی صورت نہ دیکھی تھی ظالموں کی آمد سے کونوں میں دبک دبک کر بیٹھ گئیں۔ تلواروں کی چمک اور ہتھیاروں کی دمک نے دل دہلا دئے۔ ایک طرف عابد بیمار نظر آئے۔ تو صلاح ہوئی کہ انکو بھی قتل کر دو۔ اور سادات کی نسل کا قطعاً خاتمہ کر دو۔ کچھ دیر تک بحث رہی۔ اور آخر یہ فیصلہ ہوا کہ مریض کو زندہ گرفتار کر کے یزید کی خدمت میں بھیجدو۔ وہاں سے جو مناسب ہوگا فیصلہ ہو جائے گا۔

اہل بیت کے خیمہ میں تو کیا گھروں میں بھی اگر تلاشی لی جاتی تو مال و متاع برآمد نہ ہوتا۔ سیدانیوں پر پہرے بیٹھ گئے، اور خدا کی پاک بندیاں رسول زادیاں اس وقت ظالموں کی حراست میں تھیں۔

فتح کی خوشی میں عبداللہ ابن زیاد۔ شمر ذی الجوشن بغلیں بجاتے پھرتے تھے۔ ایک رات اسی میدان میں قیام کیا۔ اور جشن منائے۔ جب جنگ کی تکان رفع ہوئی تو پیغمبر زادیاں اور عابد بیمار اونٹوں پر سوار کئے گئے۔ سب سے آگے امام عالی مقام کا سر ایک کجاوے میں تھا، اور پیچھے پیچھے یہ لٹا ہوا قافلہ، جو اپنے سردار سے بچھڑ گیا تھا۔ خدا کا شکر کرتا۔ اعدا کی نگرانی میں چلا جا رہا تھا۔

دمشق جہاں یزید کا دار الخلافہ تھا، میدان کربلا سے دس گیارہ منزل تھا۔ اور فتحمند مار امار راستہ طے کر رہے تھے۔ جن نگاہوں نے سوائے چند اشیار کے دنیا کی کائنات کا کبھی مشاہدہ ہی نہیں کیا۔ اب ان کو سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے اُنکے کلیجے زخمی تھے۔ ان کی زندگیاں ختم ہو چکی تھیں جسم موجود تھے، اور روحیں قریب قریب نکل چکی تھیں۔ قیدیوں کی خوراک کا جو دستور ہے وہ دونوں وقت انکو تھوڑی تھوڑی غذا اور قدرے قلیل پانی مل جاتا تھا۔ لیکن یہ بھی اُن کے حلق سے نہ اُترتا ننھے ننھے بچوں کا پیاس کے مارے تڑپ تڑپ کر جان دینا۔ جوانوں کا العطش العطش کہہ کر سر دھننا اور مرنا ایسے واقعات نہ تھے کہ مائیں اور پھوپیاں بہنیں اور بیویاں آسانی سے فراموش کر دیتیں۔ یہ صدمہ دل پر ایسا بیٹھ چکا تھا کہ صرف موت جسد خاکی کو بیجان کر کے بہلا سکتی تھی۔ بجائے اس کے کہ وقت کے گزرنے سے اس صدمے میں کمی ہوتی ترقی ہو رہی تھی۔ کسی ایک پر مصیبت نہ تھی، ہر ایک کی مصیبت دوسرے سے زیادہ تھی۔ مگر ان مصیبت ماروں کی اس حالت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ عرصہ بعد ایک روز امام زین العابدین نے دیکھا کہ ایک قصائی بکرے کو پانی پلا رہا ہے۔ جب وہ پانی پلا چکا، اور خوب اچھی طرح بکرا سیر ہو گیا تو اس نے ذبح کیا۔ آپ یہ دیکھکر بے اختیار ہو گئے اور اس قدر روئے کہ بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ پوچھا تو کہا۔ دشمنوں نے میرے باپ کو بکرے کے برابر بھی نہ سمجھا۔ قصائی جانور ذبح کرتا ہے تو پہلے پانی اچھی طرح پلا دیتا ہے۔ لیکن میرے باپ کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر ظالموں نے ذبح کیا۔

سیدہ کے بعد دنیا میں جس شخص کی گریہ وزاری مشہور رہے۔ وہ امام زین العابدین ہیں کہ باپ کے بعد کبھی لمحہ بھر بھی چین نہ اُٹھایا۔ ہر وقت کربلا کی مصیبت آنکھ کے سامنے تھی۔ ایسی حالت میں ہر متنفس صدمات کے انتہائی مدارج طے کر چکا تھا کسی کی

مصیبت کسی سے کم نہ تھی۔ امام زین العابدین کی حالت اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل رحم تھی کہ بیماری نے بالکل خاتمہ کر دیا تھا۔ نقاہت کی یہ حالت تھی کہ وہ آسانی سے اونٹ پر چڑھ سکتے تھے۔ نہ اُتر سکتے تھے۔ پانچ آدمیوں میں ایک اونٹ تھا جن میں ایک ایسا بیمار جس سے بیٹھا بھی نہ جائے۔ گرمی کی یہ کیفیت کہ الامان والحفیظ۔ ریگستان کا سفر۔ سر پر آفتاب لُو کے جھکڑ۔ خدا دشمن کو یہ وقت نہ دکھائے۔ جو دوستوں نے دیکھا۔

دمشق سے دو منزل ادھر جب فتحمند مصیبت ماروں کو لئے مقام قیلوم پر پہنچے ہیں تو نقاروں کی آواز اور فتح کے نعروں نے زمین آسمان ایک کر دیا۔ خلقت اپنے بادشاہ کے اقبال کو جو جلد پامال ہونے والا تھا دیکھنے باہر نکلی۔ عورتیں کوٹھوں پر۔ بچے سڑکوں پر بڈھے ٹیلوں پر تماشہ دیکھنے کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ نظر بندوں کا ناقہ جس میں آدمی کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ سامنے آیا۔ سواریاں کیا۔ یہ خود اونٹ بھی قابل رحم تھا جس پر سر سے پاؤں تک حسرت وبیکسی برس رہی تھی۔ اس میں بجائے مرد قیدیوں کے ان عورتوں کا نظر آنا جو اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھیں۔ نہایت دردانگیز منظر تھا۔ تماش بین عورتوں میں سے ایک کو رحم آیا اور اس نے بآواز بلند بے دردوں کے ظلم اور مظلوموں کے صبر سے متاثر ہو کر کلمہ پڑھا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کلمہ پڑھنے والی کو یہ نہ معلوم تھا کہ جس کا کلمہ پڑھ رہی ہوں۔ یہ اسی کی ناموس حراست میں ہے۔ رسول زادیوں نے یہ آواز سنتے ہی اپنے منہ اور زیادہ چھپا لئے سیلانی عورتیں صورتیں دیکھنے کی مشتاق ہوئیں۔ مگر نہ دیکھ سکیں۔ جب قافلہ سارا گزر گیا ہے تو کلمہ پڑھنے والی کا اشتیاق حد سے زیادہ گزرا نیچے اُتری اور آہستہ آہستہ

قافلہ کے ساتھ تھوڑی دور چلی۔ اور فتحمندوں سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ اور اس طرح منہ کیوں چھپائے ہوئے ہیں۔ فتح و شکست خدا کے ہاتھ ہے۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے۔ مگر یہ عورتیں اس طرح سے کیوں نکلیں کہ اپنی جھلک تک کسی کو نہ دکھائی۔ ہم نے سوچا تھا کہ ثواب کے واسطے ان قیدیوں کو کچھ کھلاتے پلاتے۔ مگر وہ قصہ تو رہا الگ سیدھے منہ بات تک تو کرتی ہی نہیں۔

ایک آدمی نے جواب دیا دمشق کی دیواریں تھوڑی دور آگے بڑھ کر نظر آرہی ہیں اس پڑاؤ پر ہمارا قیام اس غرض سے ہوگا کہ اپنے لباس اور ہتھیار وغیرہ درست کرلیں۔ پڑاؤ کچھ دور نہیں ہے۔ تو چلی چل وہاں ان سے پوچھ لیجیو۔ اگر یہ لوگ نہ بتائیں گے تو پھر ہم بتا دیں گے۔ مگر پوچھ کے دیکھ تو سہی کہتے کیا ہیں۔

عورت۔ تمہارا بتانے میں کیا نقصان ہے۔ اور مجھے ایسے پوچھنے کی کیا اشد ضرورت ہے۔ بتاتے ہو بتاؤ۔ نہیں بتاتے نہ سہی۔

مرد۔ یہ رسول کے نواسے حسین کے بال بچے ہیں۔ اور بیچ کے اونٹ پر ان ہی کا سر تھا جو دسویں تاریخ کو میدان کربلا میں ہم نے اس لئے علیحدہ کیا کہ انہوں نے ہمارے خلیفہ کی نافرمانی کی اور بیعت سے انکار کیا۔

عورت: سنا سنتے ہی سناٹے میں رہ گئی۔ ایک آہ کی۔ اور بیہوش ہوگئی۔ ہوش آیا۔ تو قافلہ نکل چکا تھا۔ اُٹھی اور وہی کلمہ پڑھتی ہوئی بے تابانہ دوڑی۔ جب قافلہ پڑاؤ پر اُتر چکا ہے اور رسول زادیاں ایک درخت کے نیچے بیٹھی اپنی حالت اور خدا کی قدرت کو سوچ رہی تھیں کہ عورت سامنے آئی۔ اس کی پہلی خواہش یہ تھی کہ وہ سر کی زیارت کرے۔ مگر افسر ذمہ دار نے اجازت نہ دی۔ تڑپتی ہوئی اس لٹے ہوئے قافلہ میں پہنچی بی بی زینب نے ایک تعجب انگیز نظر اس عورت پر ڈالی، اور منہ پھیر لیا۔ عورت بغیر کچھ بات کئے گھر واپس آئی۔ اس کی آنکھ میں آنسو تھے اور اس کا دل کبوتر کی طرح پھڑپھڑا

رہا تھا جس طرح اور جتنا کچھ بھی ہو سکا تھوڑا بہت سامان تیار کیا۔ لیکر حاضر ہوئی اور کہا۔ بی بی میں کسی قابل نہیں ہوں تم رسول اللہ کی جان اور ہمارا ایمان۔ اگر اپنے کرم سے قبول کر لو۔ تو میں مر وہ جی جاؤں گی۔

زینب۔ تم کون ہو۔ کیا نام ہے۔ ہم سے کیا ہمدردی ہے۔ اور کیوں ہے۔

عورت۔ مسلمان ہوں۔ اہلبیت کی عاشق رسول اللہ کی کنیز۔ مدینہ سے آکر عمر اسی امید میں بسر کی ہے کہ ایک دفعہ وہ پاک صورتیں پھر خواب میں دیکھ لوں۔ تمہاری صورت بی بی فاطمہ سے مل رہی ہے، خدا اور اُسکے رسول کا واسطہ سچ بتاؤ تم اُنکی کون ہو۔

زینب۔ تم نے بی بی کو کہاں دیکھا تھا۔

عورت۔ مدینہ منورہ زیارت کے واسطے گئی تھی۔ دو سیانے بچے کھیل رہے تھے۔ ایک بچی گود میں تھی۔

زینب۔ میں اُن کے پاس مدتوں رہی ہوں۔ انکی لونڈی ہوں عورت پر ایک خاص وجد کی حالت طاری ہوئی اور اس نے ایک چیخ ماری اور کہا تم زینب تو نہیں ہو رفتار میں گفتار میں عادات میں اطوار میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں تم بی بی فاطمہ معلوم ہو۔ یہ کہہ کر عورت نے قدموں پر سر رکھ دیا۔ تو زینب کی آنکھ سے بھی آنسو جاری ہوگئے۔ سر اُٹھا کر اس کے واسطے دعائے مغفرت کی۔ قافلہ کا کوچ شروع ہوا فتح کے شادیانوں نے زمین آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ فتحمندوں کی مارے خوشی کے باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ اُچھلتے کودتے دمشق میں داخل ہوئے تو سینکڑوں مرد عورتیں اور بچے تماشہ دیکھنے کھڑے ہو گئے۔ زینب اور شہر بانو دونوں نند بھاوجوں نے اپنے چہرے رداؤں میں چھپائے اور صبر وشکر کی دلہنیں یزید کے دربار میں پہنچیں۔ زمانہ کیسے رنگ دکھا رہا ہے۔ اور آنکھیں نت نئے انقلاب دیکھتی ہیں۔ لیکن اس دنیا کی بے ثباتی کا نقش کسی طرح دل پر نہیں جمتا۔ اس سے زیادہ نازک وقت کیا اور بھی آیا ہوگا۔ یا آئیگا کہ محض چند روزہ دورِ حکومت

اور اس زندگی کے واسطے جو آنکھ بند کرکے ختم ہوگئی۔ رسول زاد یاں چادریں اوڑھے اور امام وقت کا وہ لال جس پر سادات کا دار مدار ہے۔ خاموش یزید کے سامنے کھڑے ہیں مصائب کربلا کو قیام تھا نہ آفات دربار کو ثبات۔ وہ بھی عارضی تھا۔ یہ بھی۔ کربلا کی مصیبتیں ہمیشہ رہنے والی تھیں، نہ دربار کی آفتیں، ہاں انکی یادگار آجتک مسلمانوں ہی کا نہیں ایک دنیا کا دل دہلا رہی ہے۔ اور آج جبکہ نہ ظالم یزید موجود ہے نہ مظلوم امام ظالم کا ظلم اور مظلوم کا استقلال ہمارے سامنے ہے۔ المختصر جس وقت یزید تخت پر آکر بیٹھا اور خاندان امام سامنے آکھڑا ہوا تو سید الشہدا کا سر ایک طشت میں اس کے سامنے رکھا گیا۔ ہاتھ میں چھڑی تھی۔ آہستہ آہستہ سر کو ماری اور کہا اسی منہ سے خلافت کا دعویٰ کیا تھا کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی خوار و برباد کیا۔ حاضرین میں ایک ضعیف العمر شخص موجود تھے۔ یہ دردانگیز سماں دیکھکر بیچین ہوگئے۔ روتے ہوئے اُٹھے اور کہا۔

یزید! کیا غضب کرتا ہے یہ سر جس کے ساتھ تو آج اسقدر بے ادبی کر رہا ہے۔ بارہا میں نے رسول اللہ کی گود میں دیکھا ہے جس پر تو آج بید مار رہا ہے اس کو رسول اللہ بوسہ دیا ہے، تو سب کچھ کر چکا۔ امام کو شہید کیا۔ آل و اولاد کا خاتمہ کیا۔ سیدانیاں تیرے سامنے بے برقع و نقاب رداؤں میں منہ چھپائے حاضر ہوگئیں۔ بیمار سید تیرے روبرو دم توڑ رہا ہے اور تیرے دل میں خدا کا خوف نہیں کہ سمجھے اور سوچے۔ یزید یہ حکومت کے روز کی بہت جلد اس حکومت میں جا پہنچے گا۔ جہاں انہی لوگوں کا دور دورہ تھا اور انکے سکے چل رہے ہیں یزید یہ سنتے ہی جل بھنکر کباب ہوگیا۔ اور ان بزرگ کو غیظ و غضب سے دیکھکر حکم دیا کہ ابھی اس کو مجلس سے نکالدو۔ فوراً حکم کی تعمیل کیگئی۔ اسکے بعد اس نے امام زین العابدین کی طرف دیکھا اور کہا تم جانتے ہو کہاں ہو۔ کیا دیکھ رہے ہو۔ اور کیا ہوگیا۔ اگر تمہارے باپ کے دل میں تمکنت و غرور نہ ہوتا تو آج یہ سر میرے سامنے نہ رکھا ہوتا۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ میں کتنی طاقت کا انسان ہوں اس دربار پر نظر ڈالو۔ اس کا گونہ گونہ اور چپہ چپہ میرے جلال و جبروت

کا پتہ دے رہا ہے۔ یہ تمہارے برابر دونوں عورتیں کون ہیں۔ جب خدا نے ہی انکو پردہ کے لائق نہ رکھا تو اب کس منہ سے منہ چھپاتی ہیں۔ قیدی بن کر میرے سامنے کھڑی ہیں مگر پردہ موجود ہے تم بیمار ہو۔ سانس پھول رہا ہے۔ بات کی نہیں جاتی کھڑے ہو مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی سے بیزار اور موت کے خواستگار، مگر ابھی تک اپنی ہٹ پر اڑے ہوئے ہو۔ رسی جل گئی بل نہیں گیا۔

امام زین العابدین۔ ہمارے باپ نے محض خدا کی مخلوق کو امن میں رکھنے کے واسطے اپنی اور اپنے پیاروں کی جانیں قربان کر دیں۔ تجھ جیسے کمبخت سے بیعت کرنا مسلمانوں کو جان بوجھ کر کنوئیں میں دھکا دینا تھا۔ دنیا تھوڑی بہت گزر جاتی۔ مگر خدا کے ہاں ہم کیا منہ دکھاتے۔ تیرے عارضی اور فانی جلوے اگر غور سے دیکھے تو اس وقت بھی جب ہم تیرے دربار میں مظلوم و بیکس حاضر ہیں تیرے غرور اور ہماری صداقت کا پتہ دے رہے ہیں۔ کائنات کی ہر شے ہماری بیگناہی کی شاہد ہے ان بیویوں کو نہ پوچھ کلام اللہ انکا ایمان ہے۔ اور آزمائش کا وقت یہی ہے۔ خدا انکو آزما رہا ہے اور یہ راضی بہ رضا ہیں اسوقت تو طاقتور ہے جو چاہے کہہ لے مگر آ رہا ہے وہ وقت جب ہمارا تیرا معاملہ منتقم حقیقی کے سپرد ہوگا۔

یزید۔ اس فضول بحث کو جانے دو۔ ذرا میرے اقبال پر نظر ڈالو۔ تم میرے سامنے گرفتار کھڑے ہو اور تمہارے باپ کا سر یہ پڑا ہوا ہے۔ اب بھی تم اپنی حرکتوں سے باز آؤ۔ اور میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک کروں گا۔

امام۔ دیکھ اذان ہو رہی ہے کچھ سمجھا یہ کیا ہے۔ تیرے ہی پڑوس میں ایک شخص خدا کا پیغام پہنچا رہا ہے۔ اور بتا رہا ہے کہ تیرا یہ تمام اقبال جس پر تو پھول رہا ہے ہمیشہ رہنے والا نہیں، تجھے معلوم ہے اس میں کیا نام لیا گیا ہے۔ تو نے سنا۔ اشھد ان محمد رسول اللہ بتا یہ کس کا نام ہے؟ جو اسوقت تک زندہ رہیگا جب تک دنیا زندہ ہے۔

اس گفتگو کے بعد کچھ تھوڑی سی گفتگو بی بی زینب سے یزید کی ہوئی اور آخر کار یہ حسینی قافلہ دمشق سے مدینہ منورہ روانہ ہوا۔

کا پتہ دے رہا ہے۔ یہ تمہارے برابر دونوں عورتیں کون ہیں۔ جب خدا نے ہی انکو پردہ کے لائق نہ رکھا تو اب کس منہ سے منہ چھپاتی ہیں۔ قیدی بن کر میرے سامنے کھڑی ہیں مگر پردہ موجود ہے تم بیمار ہو۔ سانس پھول رہا ہے۔ بات کی نہیں جاتی کھڑے ہو مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی سے بیزار اور موت کے خواستگار، مگر ابھی تک اپنی ہٹ پر اڑے ہوئے ہو۔ رسی جل گئی بل نہیں گیا۔

امام زین العابدین۔ ہمارے باپ نے محض خدا کی مخلوق کو امن میں رکھنے کے واسطے اپنی اور اپنے پیاروں کی جانیں قربان کر دیں۔ تجھ جیسے کمبخت سے بیعت کرنا مسلمانوں کو جان بوجھ کر کنویں میں دھکا دینا تھا۔ دنیا تھوڑی بہت گزر جاتی۔ مگر خدا کے ہاں ہم کیا منہ دکھاتے۔ تیرے عارضی اور فانی جلوے اگر غور سے دیکھے تو اس وقت بھی جب ہم تیرے دربار میں مظلوم و بیکس حاضر ہیں تیرے غرور اور ہماری صداقت کا پتہ دے رہے ہیں۔ کائنات کی ہر شے ہماری بیگناہی کی شاہد ہے ان بیویوں کو نہ پوچھ کلام اللہ انکا ایمان ہے۔ اور آزمائش کا وقت یہی ہے۔ خدا انکو آزما رہا ہے اور یہ راضی بہ رضا ہیں اسوقت تو طاقتور ہے جو چاہے کہہ لے مگر آ رہا ہے وہ وقت جب ہمارا تیرا معاملہ منتقم حقیقی کے سپرد ہوگا۔

یزید۔ اس فضول بحث کو جانے دو۔ ذرا میرے اقبال پر نظر ڈالو۔ تم میرے سامنے گرفتار حاضر ہو اور تمہارے باپ کا سر یہ پڑا ہوا ہے۔ اب بھی تم اپنی حرکتوں سے باز آؤ۔ اور میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک کروں گا۔

امام۔ دیکھ اذان ہو رہی ہے کچھ سمجھا یہ کیا ہے۔ تیرے ہی پڑوس میں ایک شخص خدا کا پیغام پہنچا رہا ہے۔ اور بتا رہا ہے کہ تیرا یہ تمام اقبال جس پر تو پھول رہا ہے ہمیشہ رہنے والا نہیں، تجھے معلوم ہے اس میں کیا نام لیا گیا ہے۔ تو نے سنا۔ اشھد ان محمد رسول اللہ بتا یہ کس کا نام ہے؟ جو اسوقت تک زندہ رہیگا جب تک دنیا زندہ ہے۔

اس گفتگو کے بعد کچھ تھوڑی سی گفتگو بی بی زینب سے یزید کی ہوئی اور آخرکار یہ حسینی قافلہ دمشق سے مدینہ منورہ روانہ ہو گیا